حضرت مجدّد الوقت امام الزمان مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسّلام جناب میرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان

کی

تقریریں

جو

بمقام قادیان ۲۹ و ۳۰ دسمبر ۱۹۰۴ء کو بتقریب جلسہ سالانہ مسجد اقصیٰ میں فرمائیں

جسے

بار دوم

مینیجر بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان

نے

تاریخ طبع اول

فروری ۱۹۰۵ء

باہتمام میر امیر بخش مطبع کریمی لاہور میں چھپوایا

محمد فضل کاتب

دسمبر ۱۹۲۲ء

تعداد ۱۰۰۰

مختصر فہرست کُتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
براہین احمدیہ چار حصے	ع ۸ر	سر الخلافہ	
سُرمہ چشم آریہ	۱۲ر	انوار الاسلام	۴ر
شحنہ حق		منن الرحمٰن	۱۲ر
فتح اسلام	۳ر	ضیاء الحق	۲ر
توضیح مرام	۳ر	نور القرآن حصّہ اول	۲ر
ازالہ اوہام حصّہ اول		ست بچن	۱۲ر
″ ″ دوم		آریہ دھرم	۵ر
آسمانی فیصلہ	۳ر	اسلامی اصُول کی فلاسفی	۱۳ر
نشان آسمانی	۴ر	انجام آتھم	
آئینہ کمالات اسلام		ضمیمہ انجام آتھم	ع
برکات الدعاء		استفتاء	۱۰ر
حجۃ الاسلام		سراج منیر	۶ر
سچائی کا اظہار		تحفۂ قیصریہ	۴ر
تحفہ بغداد		حجۃ اللہ	
کرامات الصادقین		سراج دین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب	۲ر
شہادت القرآن		کتاب البریہ	
حمامۃ البشریٰ		فریاد درد البلاغ	۸ر
نور الحق حصّہ اوّل	۸ر	نجم الہدیٰ	½ر
″ دوم	۶ر	ضرورت الامام	
اتمام الحجۃ		راز حقیقت	

نوٹ:- جن کتابوں کے آگے قیمت کا خانہ خالی ہے وہ زیر طبع ہیں +

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسولہ الکریم

تقریر حضرت اقدس حجۃ اللہ مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام

جو

۲۹ دسمبر ۱۹۰۴ء کو بتقریب جلسہ سالانہ بعد نماز ظہر مسجد اقصیٰ میں فرمائی۔

میری طرف سے اپنی جماعت کو بار بار وہی نصیحت ہے جو کہ میں پہلے بھی کئی دفعہ اس جگہ اور دوسرے مقامات میں کر چکا ہوں۔ کہ انسان کی عمر تھوڑی اور ناپائدار ہے، اس کا کچھ بھروسہ نہیں ہے۔ اور عظیم الشان کام در پیش ہے اس لئے کوشش کرنی چاہیئے کہ خاتمہ بالخیر ہو جاوے۔

خاتمہ بالخیر ایک ایسی بات ہے کہ جس کے حاصل کرنے کے لئے راستہ میں بہت سے کانٹے ہیں۔ جب انسان دنیا میں آتا ہے۔ تو اس کا اول حصّہ عمر کا تو بیہوشی میں گذر جاتا ہے۔ کیونکہ بچہ ہوتا ہے اور اس کو کسی قسم کا علم ہرگز نہیں ہوتا اس کے بعد جب ہوش سنبھالتا ہے تو اس پر دوسرا زمانہ آتا ہے۔ کہ اگرچہ اس زمانہ میں بچوں جیسی بیہوشی تو نہیں ہوتی مگر جوانی کی مستی اور نفس امارہ کے جذبات او رغلبہ کی ایک بیہوشی ضرور ہوتی ہے۔ جو اس ہوش کے دنوں میں بھی بیہوشی پیدا کر دیتی ہے اور کچھ ایسا از خود رفتہ ہو جاتا ہے۔ کہ گویا بیہوش ہی ہے پس دو زمانے تو اس طرح مارے جاتے ہیں۔ پھر تیسرا زمانہ آتا ہے جو کہ پیرانہ سالی کا زمانہ ہوتا ہے کہ علم کے بعد پھر لاعلم ہو جاتا ہے۔ حواس اور دوسرے قویٰ میں فتور آنے لگتا ہے۔ یہ پیرانہ سالی کا زمانہ ہے بعض لوگ۔ تو ایسے ہوتے ہیں کہ پیرانہ سالی میں قدم رکھتے ہی انہیں

آثار جنون کے شروع ہو جاتے ہیں اور حواس باختہ اور مخبوط الحواس نظر آتے ہیں اور بچپن کے سے خواص ان میں پائے جاتے ہیں۔ ایسے بہت سے خاندان ہیں کہ ان میں ۶۰ یا ۷۰ سال کے بعد انسان کے حواس بیکار ہو جاتے ہیں۔ غرض اگر ایسا نہ بھی ہو تو بھی قویٰ کی کمزوری اور طاقتوں کے ضائع ہو جانے سے انسان ہوش میں بیہوش ہو جاتا ہے اور ضعف اور تکاسل اپنا اثر کرنے لگتا ہے۔ انسان کی عمر کی تقسیم انہیں تین زمانوں پر ہے اور تینوں ہی خطرات اور مشکلات میں ہیں پس اب دیکھ لو اور خوب غور کرو کہ انسان کو خاتمہ بالخیر کے لئے کسقدر مشکلات کا سامنا ہے۔ بچپن تو ایک مجبوری کا زمانہ ہوا کہ جس میں اسے کچھ ہوش ہی نہیں ہوتی اور سوائے لہو و لعب اور کھیل کود اور چھوٹی چھوٹی خواہشوں کے اور کوئی خواہش ہی نہیں ہوتی۔ ساری خواہشوں کا منتہیٰ کھانا پینا ہی ہوتا ہے دنیا اور اسکے حالات سے محض ناواقف ہوتا ہے۔ آخرت کے علوم سے بھی بکلی ناآشنا اور لاپرواہ ہوتا ہے عظیم الشان امور کی تو اُسے کوئی خبر ہی نہیں ہوتی۔ وہ نہیں جانتا کہ دنیا میں اسکے آنے کی کیا غرض اور مقصد ہے یہ زمانہ تو یوں گذر گیا۔ پھر جوانی نصیب ہوئی اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں اسکے معلومات بڑھتے ہیں اور اُس کی خواہشوں کا حلقہ وسیع ہو جاتا ہے مگر نفس امّارہ کے جذبات ایسے لگ جاتے ہیں کہ اُسکی عقل ماری جاتی ہے اور ایسے مشکلات میں پھنس جاتا ہے اور ایسے ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ اگر ایمان بھی لاتا ہے تب بھی نفس امّارہ اور اسکے جذبات اُسے اپنی ہی طرف کھینچتے ہیں اور اُسے ایمان اور اس کے ثمرات سے دور پھینکدینے کیلئے اُس پر حملے کرتے ہیں۔ اسکے بعد جو پیرانہ سالی کا زمانہ ہے وہ تو بجائے خود ایسا نکمّا اور ردّی ہوتا ہے جیسے کسی چیز سے عرق نکال لیا جاوے اور اس کا پھوگ (فضلہ) باقی رہ جاوے اسی طرح انسانی عمر کا پھوگ بڑھاپا ہے۔ انسان اس وقت نہ دنیا کے لائق رہتا ہے اور نہ دین کے۔ مخبوط الحواس اور مضمحل سا ہو کر اوقات بسر کرتا ہے۔ قویٰ میں وہ تیزی اور حرکت نہیں ہوتی جو جوانی میں ہوتی ہے۔ اور بچپن کے زمانہ سے بھی گیا گذرا ہو جاتا ہے۔ بچپن میں اگرچہ شوخی حرکت نشوونما ہوتا ہے مگر بڑھاپے میں یہ باتیں نہیں۔ نشوونما کی بجائے اب قویٰ میں تحلیل ہوتی ہے اور کمزوری کی وجہ سے سُستی اور

کاہلی پیدا ہونے لگتی ہے۔ بچہ اگرچہ نماز اور اسکے ارکان اور ثمرات سے ناواقف ہوتا ہے مگر اپنے کسی عزیز کو دیکھکر ریس سے رکوع سجود بھی کرلیتا ہے۔ مگر پیرانہ سالی میں بسبب کسل و کاہلی کے اسکے قابل بھی نہیں رہتا جہاں پڑا وہیں پڑا رہتا ہے۔ جہاں بیٹھا وہیں بیٹھا رہتا ہے۔

حواس باطنی میں جس طرح اس وقت فرق آجاتا ہے۔ حواس ظاہری میں بھی بہت کچھ فتور پیدا ہوجاتا ہے بعض اندھے ہوجاتے اور بعض بہرے بعض چلنے پھرنے سے بھی عاری ہوجاتے ہیں اور قسم قسم کی مصیبتوں اور دکھوں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ غرض یہ زمانہ بھی بڑا ہی ردی زمانہ ہے پس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک ہی زمانہ ہے جوان دونوں کے بیچ کا زمانہ ہے یعنی جوانی جبکہ انسان خدا کی پرستش کرسکتا ہے کیونکہ اس وقت قوائے میں نشوونما ہوتا ہے۔ مگر یہی زمانہ ہے جس میں نفس امارہ ساتھ ہوتا ہے اور اسکے ساتھ ایسی آفات لگی ہوئی ہیں کہ اگر انسان نگہداشت اور پوری کوشش نہ کرے تو اسی سے جہنم کی تیاری اور اگر پوری کوشش اور احتیاط کرے تو جنت کی تیاری کرنے لگ جاتا ہے پس زمانہ میں نفس امارہ اس پر مختلف رنگوں میں حملے کرتا ہے اور اپنے زیر اثر رکھنا چاہتا ہے یہی زمانہ ہے جو مواخذہ کا زمانہ ہے اور یہی زمانہ ہے جس میں خاتمہ بالخیر کے لئے کچھ کرنے کا موقع ملتا ہے۔ لیکن ایسی آفتوں میں گھرا ہوا ہے۔ کہ اگر بڑی سعی نہ کی جاوے تو یہی زمانہ ہے۔ جو جہنم میں لیجائیگا۔ کیونکہ اس زمانہ میں جن اخلاق عادات عقائد وغیرہ کا اپنے آپ کو پابند بنالیگا۔ پھر اس کا ان سے چھوٹنا محال ہوگا پس چاہے تو وہ اس زمانہ میں اپنے لئے جنت کی بنیاد قائم کرے اور چاہے دوزخ کی۔ اگر اس نے یہ زمانہ خدا تعالے کی بندگی اور اطاعت اور ۔۔ نفس کے تزکیہ میں گذارا ہوگا۔ تو اس کا اسے یہ پھل ملیگا کہ پیرانہ سالی میں جبکہ وہ کسی قسم کی عبادت وغیرہ کرنے کے قابل نہ رہیگا اور کسل اور کاہلی اسے لاحق ہو جاوینگی تو ملائک اسکے نامہ اعمال میں وہی نماز روزہ تہجد وغیرہ عبادات لکھتے رہینگے۔ جو کہ وہ جوانی کے ایام میں بجا لاتا تھا اور یہ خدا کا فضل ہوتا ہے کہ اسکی ذات پاک اپنے بندوں کو معذور جانکر باوجودیکہ وہ عمل بجا نہیں لاتا پھر وہی اعمال اسکے

نامہ اعمال میں درج ہوتے رہتے ہیں۔ بوڑھوں کا دنیا میں موجود ہونا جوانوں کیلئے عبرت کا مقام ہے۔ مگر انسان کے دل پر اس قسم کا حجاب پڑا ہوا ہے کہ وہ باوجود دیکھنے کے نہیں دیکھتا اور باوجود سننے کے نہیں سنتا ورنہ اسی قسم کے نظاروں کو دیکھکر وہ اپنی جوانی کے ایام میں خدا تعالےٰ سے اپنے تعلقات مضبوط کرلے۔ پس سوچنا چاہیئے کہ یہ تین زمانہ بچپن جوانی پیرانہ سالی کے انسان پر کیسے مشکل ہیں اور ان میں کسقدر مشکلات اسکے لئے ہوتے ہیں۔ دو زمانے یعنی بچپن اور بڑھاپا تو خود ہی نکمّے اور ردّی ہیں کہ ان میں انسان کچھ نہیں کر سکتا۔ ہاں درمیان کا زمانہ جوانی کا کچھ ہے جس میں انسان آخرت کی پونجی بنا سکتا تھا اسی واسطے اگر یہ زمانہ جوانی کا بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے بسر کیا جاوے تو اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ خاتمہ بالخیر ہو جاوے۔ کیونکہ ابتدائے زمانہ تو بیخبری اور غفلت کا زمانہ ہے اللہ تعالےٰ اس کا مواخذہ نہ کریگا۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا [پ۳]۔ ہر شخص بوڑھے انسان کو دیکھکر سمجھ سکتا ہے کہ وہ کیسا از خود رفتگی کا زمانہ ہے اسلئے ان لوگوں پر خدا تعالےٰ کا بڑا فضل ہوتا ہے۔ جو ابتدائے زمانہ میں اس زمانہ (بڑھاپے) کیلئے سعی کرتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ پیری میں انکے لئے وہی تقویٰ اور خدا کی بندگی لکھی جاتی ہے۔ غرض آخر وہی ایک زمانہ جو جوانی کے جذبات اور نفس امارہ کی شوخیوں کا زمانہ ہے کچھ کام کرنے کا زمانہ رہ جاتا ہے اس لئے اب سوچنا چاہیئے کہ وہ کیا طریق ہے جس کو اختیار کرکے انسان کچھ آخرت کے لئے کما سکے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ زمانہ جو جوانی کا زمانہ ہے ایک ایسا کار آمد زمانہ ہے کہ اس میں انسان آخرت کی پونجی بنا سکتا ہے۔ مگر نفس امّارہ نے اس کو ردّی کیا ہوا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے اسی نفس کا تذکرہ فرمایا ہے وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ [پ۱۳] یعنی میں تو اپنے نفس کو بری نہیں ٹھہرا سکتا کیونکہ نفس امارہ ہمیشہ بدی کی طرف ہی تحریک کرتا ہے اس کی اس قسم کی تحریکوں سے وہی پاک ہو سکتا ہے۔ جس پر میرا رب رحم کرے اور میرا رب تو غفور الرحیم ہے۔ اسی نے مجھ پر رحم کرکے اس نفس کے جذبات اور حملوں سے میری حفاظت کی ہے۔ ان

(جوانی کا زمانہ کس طرح مفید ہو سکتا ہے)

؎ اللہ تعالےٰ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے موافق۔ فضادین

الفاظ سے ظاہر کہ اس زمانہ کی بدیوں اور جذبات سے محفوظ رہنے کے لئے صرف انسان کی اپنی ہی کوشش کافی نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے رحم وحفاظت اور فضل کی بھی ضرورت ہے۔ جس کے حاصل کرنیکا ذریعہ صرف دُعا ہے نرا زہد ظاہری (جو انسان اپنی سعی اور کوشش سے کرتا ہے) کارآمد نہیں ہوسکتا۔ جبتک خدا تعالیٰ کا رحم حفاظت اور فضل ساتھ نہ ہو۔ اور اصل تو یہ ہے کہ اصل زہد اور تقویٰ تو وہی ہے جو خدا تعالےٰ کی طرف سے آتا ہے۔ جیسے ہر ایک چیز کا ایک ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے ہی زہد اور تقویٰ کا بھی ایک ظاہر ہوتا ہے۔ اکثر لوگ بظاہر متقی اور زاہد ہوتے ہیں۔ لیکن جبتک خدا کا فضل رحم بھی شامل حال نہ ہو۔ تب تک وہ زہد اسکے کام نہیں آسکتا حقیقی پاکیزگی اور حقیقی زہد اور تقویٰ اللہ تعالیٰ کے فضل رحم سے ملتا ہے۔ ورنہ کیا یہ سچ نہیں کہ بہت سے جامے بالکل سفید ہوتے ہیں اور باوجود سفید ہونے کے وہ پلید بھی ہوتے ہیں تو اس ظاہری تقوےٰ اور طہارت کی ایسی ہی مثال ہے۔ بہر حال حقیقی پاکیزگی اور حقیقی تقوےٰ اور طہارت کے حصول کیلئے ضرورت اس امر کی ہے کہ اس زمانہ شباب وجوانی میں انسان کوشش کرے جبکہ قویٰ میں قوت اور طاقت اور دل میں ایک امنگ اور جوش ہوتا ہے۔ اس زمانہ کے مفاسد پر غور کرکے بچنے کی کوشش کرنا عقلمندوں کا کام ہے اور عقل اسی لئے اللہ تعالےٰ نے دی ہے کہ وہ اس طوفان عظیم سے جو کہ لوگوں کی روحانیت کو تباہ کر رہا ہے۔ اپنے آپ کو بچاوے۔

(لغزشات نفس سے بچنے کیلئے تدبیر اوّل)

سو اسکے لئے اوّل تدبیر تو یہی ہے (جیسا کہ مَیں پہلے کئی مرتبہ بیان کرچکا ہوں) ضروری ہے کہ انسان دیدہ دانستہ اپنے آپ کو گناہ کے گڑھے میں نہ ڈالے۔ ورنہ وہ ضرور ہلاک ہوگا کیونکہ جو شخص دیدہ دانستہ زہر کھاتا ہے۔ یا کنوئیں میں گرتا ہے۔ وہ نہ دنیا کے نزدیک قابل رحم ٹھہر سکتا ہے۔ نہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس لئے یہ ضروری اور بہت ضروری ہے خصوصاً ہماری جماعت کیلئے (جس کو اللہ تعالےٰ نے نمونہ کے طور انتخاب کیا ہے۔ وہ چاہتا ہے آنے والی نسلوں کیلئے یہ جماعت ایک نمونہ ٹھہرے) کہ جہانتک ممکن ہو بد صحبتوں اور بد رفیقوں اور دوستوں سے پرہیز کرے جو اسکے روحانیت پر بُرا اثر ڈالتے ہیں اور اپنے آپ کو نیکی کی طرف لگائے اور اپنے ہر ایک فعل اور حرکت وسکون میں نگاہ رکھے کہ وہ اسکے ذریعہ سے دوسروں کیلئے ایک ہدایت کا نمونہ قائم کرتا ہے۔ یا کہ نہیں اس مقصد کے

حاصل کرنے کے واسطے جہاں تک تدبیر کا حق ہے تدبیر کرنی چاہیئے اور کوئی دقیقہ تدبیر کا فروگذاشت نہیں کرنا چاہیئے کہ جس سے بُری صحبت اور بد مجلس اور خراب عادت سے اپنے آپ کو بچاؤ یاد رکھو تقویٰ اور نیکی کے حصول کے لئے تدابیر میں لگا رہنا بھی ایک مخفی عبادت ہے اس کو حقیر مت سمجھو جب انسان اس کوشش میں لگا رہتا ہے۔ تو سنۃ اللہ یہی ہے کہ اس کے لئے کوئی نہ کوئی راہ کھول دی جاتی ہے۔[1] جو بدیوں سے بچنے کی راہ ہے لیکن جو شخص بدیوں سے بچنے کی اور نیکی کو عمل میں لانیکی تدبیر نہیں کرتا سمجھو کہ وہ بدیوں پر راضی ہو گیا ایسے آدمی سے اللہ تعالےٰ الگ ہو جاتا ہے پھر بدی کا چھوڑنا بھی اسے ناممکن ہو جاتا ہے۔

مَیں سچ کہتا ہوں کہ جب انسان نفس امارہ کے پنجے میں گرفتار ہونے کے باوجود بھی تدبیروں میں لگا رہتا ہے۔ تو اس کا نفس امارہ خدا تعالےٰ کے فضل و رحم سے امارگی سے نکل کر لوامہ ہو جاتا ہے اور ایسی قابل قدر تبدیلی پالیتا ہے۔ کہ یا تو وہ امارہ تھا جو لعنت کے قابل تھا یا اب اس کو یہ شرف حاصل ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ بھی اس کی قسم کھاتا ہے یہ کوئی تھوڑا شرف نہیں ہے۔ کیونکہ یا تو پہلے امارہ تھا کہ بدیوں کی طرف کھینچتا تھا اور سوائے بدی کے اُسے کچھ اور سوجھتا ہی نہ تھا۔ یا وہی نفس اب بدیوں پر ملامت کرنے لگ گیا۔ گویا اب اس کی جنگ شروع ہو گئی کبھی غالب ہوتا ہے کبھی مغلوب۔ ایک فعل بد کا ارتکاب کرتا ہے تو پھر اس پر پچھتاتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس کی تلافی کیونکر ہو اور چونکہ فعل بد پر وہ ملامت کرتا ہے اسلئے اُس کا نام لوامہ ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے بھی اسی لئے اس کی قسم قرآن مجید میں کھائی ہے۔ کیونکہ یہ اپنی حالت سے خدا تعالیٰ کیطرف ایک رجوع ظاہر کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ قرب الٰہی اسے حاصل ہو۔ غرض حقیقی تقوے اور طہارت حاصل کرنے کیواسطے اوّل یہ ضروری شرط ہے۔ کہ جہانتک بس چل سکے تدابیر بدیوں سے بچنے اور نیکی و تقوے و طہارت حاصل کرنیکے لئے برابر کرتے رہو۔

---

[1] وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ ۲۱
ترجمہ۔ جو ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں اُنکو ہم ضرور اپنا راہ دکھا دیتے ہیں یعنی تفضلیین

بدعادتوں بد صحبتوں کو قطعاً ترک کردو بلکہ اُن مقامات کو بھی بالکل چھوڑ دو جو اس قسم کی تحریکوں کا موجب ہوسکیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی لپیٹ تم کو بھی لگ جاوے[۱] جسقدر تمہارا امکان ہے کوشش کرو اور انتھک کوشش کرو اور ہرگز سستی نہ کرو۔

دوسرا طریق حقیقی پاکیزگی اور خاتمہ بالخیر کے حاصل کرنیکا جو خدا تعالیٰ نے سکھایا ہے۔ جو دراصل سب سے مقدم ہے وہ دُعا ہے اسلئے جسقدر ہو سکے دُعا کرو یہ طریق اعلیٰ درجہ کا مفید اور مجرب ہے کیونکہ خود اللہ تعالےٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ[پ۲۴] تم مجھ سے دُعا کرو میں تمہارے لئے قبول کرونگا۔ دُعا ایک ایسی چیز ہے۔ جس کے ساتھ مسلمانوں کو دوسری قوموں پر فخر کرنا چاہیئے۔ دوسرے مذاہب کو دُعا کی حقیقت کی کچھ بھی خبر نہیں اسی واسطے انکو دُعا کی کوئی قدر نہیں۔ بلکہ مسلمانوں نے بھی اس میں سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ کہ دُعا جیسی شے کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے ہیں۔ حالانکہ یہ فخر اور ناز صرف اسلام کو ہی ہے۔ دوسرے مذاہب اس سے بکلی بے بہرہ ہیں اسلئے دوسری کوئی قوم اس میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی کیونکہ اور قوموں نے بدیوں میں پڑکر اور اُن سے راضی ہوکر دُعا کا قصد ہی نہیں کیا مثلاً جب عیسائیوں نے کفارہ پر بھروسہ کرکے یہ سمجھ لیا ہے کہ ایک انسان (جس کو انہوں نے خدا مان لیا) نے ہمارے لئے قربانی دیدی ہے۔ اور ہمارے سارے گناہ اس نے اٹھا لئے ہیں پھر کونسا امر ہے۔ جو اُن کو دُعا کیلئے جذب و تحریک کریگا ہرگز ممکن ہی نہیں کہ وہ گذارش دل سے دُعا کریں دُعا کی ضرورت تو اُس کو پیش آتی ہے۔ جو یہ یقین رکھتا ہو کہ میں گرفتار ہوں اور جو اپنی ذمہ داری اور جوابدہی سمجھتا ہے لیکن جو شخص اپنے آپ کو بری الذمہ تصور کرتا ہے وہ دُعا کیوں کریگا۔ کیونکہ اُس نے تو پہلے ہی سمجھ لیا ہے کہ گناہ دوسرے شخص نے اٹھالئے ہیں اور اس طرح پر اسکے ذمہ کوئی جوابدہی نہیں اور گناہ اسے کوئی ضرر نہیں پہنچائینگے اور نہ اسکے گناہ اسکے عذاب کا

---

[۱] لَا تَرْکَنُوْٓا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ۔ پ۱۲

ترجمہ مت جھکو ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا سو اگر تم جھکو گے تو تم کو بھی وہ آگ لگے گی (جو اُن کو لگی ہوئی ہے) فضلدین

موجب ہونگے۔ تو اسکے دل میں کس طرح جوش اور تحریک ہوگی اس نے تو اور شے پر ہی بھروسہ کر لیا۔ اور اسلئے اس طریق سے جو دُعا کا طریق ہے وہ دور چلا گیا ہے غرض ایک عیسائی کے نزدیک دُعا بالکل بے سود ہے اور وہ اس پر عمل نہیں کر سکتا اسکے دل میں وہ رقت اور جوش جو دُعا کیلئے تحریک پیدا کرتا ہے نہیں ہو سکتا اسی طرح ایک آریہ جو تناسخ کا قائل ہے اور سمجھتا ہے۔ کہ توبہ قبول ہی نہیں ہو سکتی اور کسی طرح پر اسکے گناہ معاف ہی نہیں ہو سکتے تو وہ دُعا کیوں کریگا اُس نے تو یہ یقین کیا ہوا ہے۔ کہ جونوں کے چکر میں جانا ضروری ہے۔ اور بیل گھوڑا گدھا۔ گائے کُتا سور وغیرہ بننا ہے وہ اس راہ (دُعا) کی طرف آئے ہی گیا نہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ دُعا اسلام کا خاص فخر ہے۔

(حقیقت اصل دعا کیا ہے)

مگر یہ یاد رکھو کہ یہ دُعا صرف زبانی بک بک کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ چیز ہے کہ دل خدا تعالیٰ کے خوف سے بھر جاتا ہے۔ اور دعا کرنیوالے کی روح پانی کی طرح بہ کر آستانہ الوہیت پر گرتی ہے۔ اور اپنی کمزوریوں اور لغزشوں کا اعتراف کرکے اس قوی اور مقتدر خدا سے ان سے بچنے کی طاقت اور قوت اور مغفرت (حفاظت) چاہتی ہے۔ اور یہ وہ حالت ہے۔ کہ دوسرے الفاظ میں اس کو موت کہہ سکتے ہیں۔ جب یہ حالت میسر آجاوے تو یقیناً سمجھو کہ باب اجابت اسکے لئے کھولا گیا۔ تب خاص قوت اور استقامت بدیوں سے بچنے اور نیکیوں پر قائم رہنے کیلئے عطا ہوتی ہے۔ یہ ذریعہ سب سے بڑھکر زبردست ہے۔

مگر بڑی مشکل یہ ہے کہ لوگ دُعا کی حقیقت سے محض ناواقف ہیں اور اسی وجہ سے اس زمانہ میں بہت سے لوگ اس سے منکر ہو گئے ہیں۔ کیونکہ وہ جبکہ حقیقت دُعا کی نہیں جانتے جو قبولیت کا ذریعہ ہے تو وہ قبولیت دُعا کی تاثیرات کو بھی نہیں پاتے۔ اور ایک وجہ اُنکی دُعا سے منکر ہونے کی یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہونا ہے وہ تو ہو کر ہی رہیگا پھر دُعا کی کیا حاجت ہے۔

مگر میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تو نرا بہانہ ہے۔ انہیں چونکہ دُعا کا تجربہ نہیں اسکی تاثیرات پر بھی اطلاع نہیں اسلئے اسطرح کہہ دیتے ہیں ورنہ اگر اُنکا اعتقاد یقینی طور پر اس بات پر ہے تو پھر دکھوں اور بیماریوں میں وہ تدابیر اور علاج کیوں کرتے ہیں اگر ایسے ہی متوکل اور راضی بقاء

ہیں۔ تو پھر ذرا سی درد پر ڈاکٹروں اور طبیبوں کی طرف کیوں دوڑے جاتے ہیں۔ بلکہ میں سچ کہتا ہوں کہ سب سے زیادہ چارہ کرنے والے یہی ہوتے ہیں۔ سید احمد خاں بھی دعا کے بڑے منکر تھے لیکن جب اُنکا پیشاب بند ہُوا تو دہلی سے معالج ڈاکٹر کو بلایا یہ نہ سمجھا کہ اگر پیشاب کُھلنا ہے تو خود بخود ہی کُھل جاویگا۔ افسوس کی بات ہے کہ ان لوگوں کی سمجھ میں یہ موٹی سی بات نہیں آتی۔ کہ جب ظاہری عالم کے ذرہ ذرہ پر اس قادر خدا کا تصرف ہے تو باطنی عالم پر اُس کا تصرف کیوں نہیں۔ ایک پہلو میں اسکے کامل قدرت کے تصرفات کو مانتے ہیں اور دوسرے پہلو میں اس سے انکار کرتے ہیں۔ جبکہ ظاہری اشیاء میں تاثیرات موجود ہیں تو کیا وجہ ہے کہ باطنی اشیاء میں تاثیرات نہ ہوں جن میں سے دُعا بھی ایک زبردست چیز ہے۔ قضاء و قدر پر تو ہمارا بھی ایمان ہے۔ مگر کوئی یہ تو بتائے کہ خدا تعالےٰ نے وہ فہرست کس کو دی ہے جس سے معلوم ہو جاوے کہ فلاں کام اٹل ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ ان اسرار پر کوئی فتح نہیں پا سکتا ظاہر میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کو قبض ہے تو تربد او کسٹرائل جب اُسکو دیا جاویگا تو اُسے اسہال آجاوینگے اور قبض کُھل جاویگی۔ کیا یہ اس امر کا بیّن ثبوت نہیں کہ خدا تعالےٰ نے ہر ایک چیز میں تاثیرات رکھی ہوئی ہیں ایسے ہی زمیندار دانے ڈالتا ہے اور پانی دیکر کھیت کی پرورش کرتا ہے تو اسکا کھیت پھلتا پھولتا ہے پس جب تجارب سے ایک بات ثابت ہے تو خواہ اسکی بحث میں پڑنا اور ایک کُھلی حقیقت سے انکار کرنا نادانی ہے۔ دُعا سے انکار کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ جس نقطہ پر دُعا اثر کرتی ہے اس سے ورے ہی لوگ تھک کر دُعا چھوڑ دیتے ہیں اور پھر ابتلاء میں پڑ کر خود ہی نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ دعاؤں میں کوئی اثر نہیں۔ کیونکہ جبتک کسی شے کی پوری خوراک استعمال نہیں کی جاتی تب تک کوئی فائدہ نہیں ہُوا کرتا مثلاً اگر ایک شخص کو ایک رٹی کی بھوک یا ایک پیالہ کی پیاس ہے۔ تو ایک دانہ یا ایک گھونٹ سے اس کی سیری ہرگز نہ ہوگی بلکہ سیر ہونے کے لئے چاہیئے کہ کافی پانی یا غذا کھائے۔ ایسے ہی جبتک دُعا اپنے پورے آداب کے ساتھ نہ کی جاوے اور جس حد تک وہ درجہ استجابت حاصل کرتی ہے اس حد تک نہ پہنچے اور اُس میں بیدلی اور گھبراہٹ اور جلدبازی

سے احتراز نہ کیا جائے تب تک اُس کا اثر بھی نہیں ہوتا۔ تھک جانا گھبرانا جلد بازی کرنا۔ محرومی کی علامت ہے۔ دُعا تو ایک ایسی شے ہے کہ کوئی مشکل ایسی نہیں جو کہ اسکے ذریعہ سے حل نہ ہو کوئی غم ایسا نہیں جو دُعا سے زائل نہ ہو جائے۔ کوئی بیماری ایسی نہیں جو کہ اسکے ذریعہ سے دور نہ ہو۔ یہ میں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں خیالی بات نہیں ہے میرے نزدیک دُعا بہت عُمدہ چیز ہے۔ اور بڑی زبردست اثر والی چیز ہے۔ دُنیا کی تنگیاں اور مشکلات جو کسی تدبیر سے حل نہ ہوتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ دُعا کے ذریعہ آسان کر دیتا ہے دشمنوں کے منصوبوں سے یہ بچا لیتی ہے وہ کیا چیز ہے جو دعا سے حاصل نہیں ہوتی سب سے بڑھکر یہ کہ انسان کو پاک کر دیتی ہے اور خدا تعالےٰ پر زندہ ایمان بخشتی ہے گناہ سے نجات دیتی ہے اور نیکیوں پر استقامت اسکے ذریعہ سے آتی ہے پس بڑا خوش قسمت وہ انسان ہے جس کو دُعا پر ایمان ہے کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ کے عجیب در عجیب قدرتوں کو دیکھتا ہے اور خدا تعالیٰ کو دیکھکر ایمان لاتا ہے۔ انسان ہر وقت ایک سیلاب میں پڑا ہوا ہے سو دُعا ہی ایک ایسی شے ہے جو کہ اسکو اس سے نجات دلا سکتی ہے سورہ فاتحہ میں بھی خدا تعالیٰ نے دُعا کی تعلیم دی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ بڑی عظیم الشان اور ضروری چیز ہے اسکے بغیر انسان کچھ بھی نہیں اور اپنے اُنہیں چار صفات کا ذکر اوّل کیا ہے جن سے دُعا کی تحریک دل میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ چار صفات اسکی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ رَحْمٰن۔ رَحِیْم۔ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْن ہیں جو اُم الصفات ہیں رب کے معنے ہیں کہ ذرہ ذرہ کی ربوبیت اسی کے ہاتھ میں ہے عالم اُسے کہتے ہیں جس کی خبر مل سکے یا جس کا علم ہو اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی چیز دنیا میں ایسی نہیں جس کی ربوبیت اللہ تعالیٰ نہ کرتا ہو ارواح اجسام وغیرہ سب کی ربوبیت کر رہا ہے وہی ہے جو ہر ایک چیز کی حسب حال اس کی پرورش کرتا ہے۔ جہاں جسم کی پرورش کرتا ہے وہاں روح کی سیری اور تسلّی کے لئے بھی معارف حقائق عطا فرماتا ہے۔ رحمان ہے کہ قبل پیدائش انسان کی بلا مزد و محنت اسکے آرام کے سامان مہیا کر دیئے زمین۔ چاند۔ سورج۔ ہوا۔ پانی وغیرہ جسقدر اشیاء انسان کیلئے ضروری ہیں اسکے پیدا ہونے سے پہلے موجود ہوتی ہیں اور رحیم ہے یعنی کسی کی سچی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ مالک یوم الدین ہے وقت جزا کا مالک بھی ہے اسقدر صفات اللہ کے بعد دُعا کی تحریک کی ہے۔ واقعہ میں جب انسان اللہ تعالےٰ کی ہستی اور ان صفات پر ایمان لاتا ہے تو خواہ مخواہ روح

میں ایک جوش اور تحریک پیدا ہوتی ہے اور روح دعا کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتی ہے اس لئے اسکے بعد دعا کی تحریک کی ہے کہ تو جو ربّ رحمٰن رحیم مالک یوم الدین ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اپنی ربوبیت رحمانیت رحیمیت مالکیت سے میری مشکل کشائی فرما اور وہ صراط مستقیم دکھا جو تو اپنے پیارے برگزیدوں کو دکھاتا رہا ہے ہم تیری راہ بجز تیرے فضل کے نہیں پا سکتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کی تجلّیات کا ظہور دعا کو چاہتا ہے اس لئے اس پر ہمیشہ کمربستہ رہو اور کبھی مت تھکو اسی کے ذریعہ انسانوں کو مخلصی ملتی ہے۔ غرض اصلاح نفس کیلئے اور خاتمہ بالخیر ہونے کیلئے نیکیوں کی توفیق پانے کے لئے دوسرا پہلو دعا ہے۔ جو اسے کامل یقین اور طاقت سے استعمال میں لاوے گا اور اس راہ میں نہ تھکنے والا قدم رکھے گا اس کی تمام مشکلات دور ہو جاوینگی اور عمدہ نتائج اور ثمرات ملیں گے! اللہ تعالےٰ کے ہاتھ سے ہی انسان پاک ہو سکتا ہے اور کوئی راہ اسکے پاک ہونے کی نہیں ہے۔ دعا کرنیوالا اعلیٰ مراتب تقوےٰ پر پہنچ سکتا ہے یہ بالکل سچ بات ہے۔ کہ جبتک اللہ تعالےٰ کسی کو پاک نہ کرے کوئی پاک نہیں ہو سکتا۔ نفسانی جذبات پر محض خدا تعالیٰ کے فضل اور جذبہ ہی سے موت آتی ہے اور یہ فضل اور جذبہ دعا ہی سے پیدا ہوتا ہے! اور یہ توفیق دعا ہی سے ملتی ہے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ دوسرے مسلمانوں کی طرح ہماری جماعت کو ہرگز ہرگز دعا کی بیقدری نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ یہی دعا ہے جس پر مسلمانوں کو ناز اور فخر کرنا چاہیئے دوسرے مذاہب کے آگے تو دعا کے لئے گندے پتھر پڑے ہوئے ہیں اور وہ دعا کی طرف توجہ ہی نہیں کر سکتے مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان تمام پتھروں کو جو ان کی دعا کے راستہ میں پڑے ہوں اور جو ان کی دعا کی روک بنے ہوئے ہوں دور کر دیں جیسے پانی کے آگے پتھر ہوں تو رُک جاتا ہے اسی طرح دوسرے لوگوں نے گندے پتھر دعا کی راہ میں ڈالے ہوئے ہیں اور وہ کیا ہیں۔ وہ ان کی اپنی بدکاریاں اور بداعتقادیں ہیں لیکن تم لوگوں کو اُن کی مثل نہ ہونا چاہیئے اور تمہارا کوئی کاروبار دعا کے سواء نہ ہوا کرے چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے سوتے۔ جاگتے دعا کی

ہو۔ تجلیات اور رحمتوں کے پانے کے لئے دعا کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ بلکہ سے

عادت ڈالو اور اس سے غافل ہرگز نہ ہو۔ مَیں نے ابھی بیان کیا ہے کہ ایک عیسائی جو کفارہ اور خون مسیح پر ایمان لا کر سارے گناہوں کو معاف شدہ سمجھتا ہے اُسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ دُعا کرتا رہے اور ایک ہندو جو یقین کرتا ہے کہ توبہ قبول ہی نہیں ہوتی اور تناسخ کے چکّر سے ہرگز رہائی نہیں ہے اُسکے نزدیک بھی دُعا کوئی شئے نہیں وہ کیوں دُعا کے واسطے ٹکریں مارتا رہیگا وہ تو یقیناً سمجھتا ہے کہ اعمال کی پاداش میں اس نے کروڑہا جونیں بدلنی ہیں اور جسکا ایمان ہے کہ کُتّے بلّے سور بننے سے چارہ ہی نہیں۔ دُعا تو جب کرتا کہ جب اُسے ایمان ہوتا کہ خدا تعالےٰ اُسے دُعا کی برکت سے ان جونوں کے چکر سے بچا لیگا۔ اس لئے یاد رکھو کہ یہ اسلام کا ہی فخر اور ناز ہے کہ اس میں دُعا کی تعلیم ہے اس میں کبھی سُستی نہ کرو اور نہ اس سے تھکو۔ دُعا خدا تعالیٰ کی ہستی کا زبردست ثبوت ہے۔ اگر قرآن مجید کو غور سے پڑھوگے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اسمیں بار بار کسقدر دُعا کی طرف رغبت دلائی اور تاکید کیگئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۲ یعنی جب میرے بندے تجھ سے سوال کریں کہ خدا کہاں ہے اور اسکا کیا ثبوت ہے تو کہدو کہ مَیں بیشک بہت ہی قریب ہوں اسکا ثبوت یہ ہے۔ کہ جب کوئی دُعا کرنیوالا مجھے پکارتا ہے تو مَیں اُس کو جواب دیتا ہوں۔ اور یہ جواب دینا کئی رنگوں میں ہوتا ہے جو بہت دُعا کرنیوالا ہوگا وہ دیکھ لیگا کہ خدا تعالیٰ اُسے کبھی رؤیائے صالحہ کے ذریعہ کبھی کشف صحیح اور الہام کے ذریعہ جواب دیتا ہے اور علاوہ بریں دُعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی ذات اور قدرتوں اور طاقتوں کا بھی کافی ثبوت ملتا ہے۔ اور یقین ہو جاتا ہے۔ کہ وہ ایسا قادر خدا ہے جبکہ بڑی بڑی مشکلات کو دُعا سے حل کر دیتا ہے اور قادرانہ تصرفات سے اُسکے دل پر اپنی ہستی اور اپنی قدرت اور طاقت کا نقش جما دیتا ہے پھر بہت دُعا کرنیوالا سمجھ لیتا ہے۔ کہ میرا پروردگار ایسا قادر مطلق ہے جو ہر ایک قسم کی مشکل کو حل کر دیتا ہے۔ ان باتوں کے ثبوت میں ہزاروں روائتیں اور حکائتیں موجود ہیں اور اب اسوقت تو اس کی زندہ نظیریں قائم ہیں۔ غرض دُعا بڑی دولت اور بڑی طاقت ہے اور قرآن مجید میں

جا بجا اس کی ترغیب و تاکید فرمائی ہے اور ایسے لوگوں کے حالات بھی قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں جنہوں نے دُعا کے ذریعہ اپنی سخت ترین مشکلات سے نجات پائی انبیاء علیہم السلام کی کامیاب زندگی کی جڑ اور سچا ذریعہ انکی تمام کامیابیوں کا یہی دُعا بیان فرمائی ہے پس میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی ایمانی اور عملی طاقت کو بڑھانے کے لئے دُعاؤں میں لگے رہو دعاؤں کے ذریعہ سے ایسی تبدیلی ہو گی جو خدا کے فضل سے خاتمہ بالخیر ہو جاویگا۔

(تیسرا ذریعہ حصول خاتمہ بالخیر کا صحبت صادقین ہے)

تیسرا پہلو حصول خاتمہ بالخیر کا جو قرآن مجید سے ثابت ہے صحبت و معیّت صادقین ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ۔ یعنی اے ایمان والو تقوےٰ اختیار کرو اور تقوےٰ جب حاصل ہو سکتا ہے کہ صادقین کے ساتھ معیت اختیار کرو یعنی اکیلے نہ ہو کہ اس حالت میں شیطان کا داؤ انسان پر ہو جاتا ہے بلکہ صادقوں کی معیّت اختیار کرو کہ انکی صحبت میں ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ اُن کی صحبت اور معیّت کے سبب اُن کے انوار اور برکات کا پرتوہ تم پر پڑتا رہیگا اور خانۂ قلب کی ہر ایک خس و خاشاک کو محبت الٰہی کی آگ سے جلا کر نور الٰہی سے بھر دیگا اور اُنکا نور صدق و ایمان تمہاری کمزوریوں کو دُور کرنے میں مدد دے گا غرضکہ یہ تین ذریعہ ہیں جو انسان شیطان اور نفس امّارہ کے حملوں سے محفوظ رہکر تقوےٰ اور نیکی میں ترقی کر سکتا ہے۔ جبتک ان ذریعوں سے انسان فائدہ نہیں اُٹھاتا اُس وقت تک اندیشہ رہتا ہے کہ شیطان اُس پر حملہ کر کے اُس کے متاع ایمان کو چھین نہ لیجاوے اسی لئے بہت بڑی ضرورت اس امر کی ہے کہ مضبوطی کیساتھ اپنا قدم رکھو اور ہر طرح سے شیطانی حملوں سے احتیاط کرو جو شخص ان تینوں ہتھیاروں سے اپنے آپ کو مسلح نہیں کرتا ہے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کسی شیطانی اور نفسانی حملہ سے نقصان اُٹھاویگا

لیکن یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے۔ کہ بعض لوگوں کا قاعدہ ہے کہ کتابوں میں بعض بدیوں کو پڑھکر خوش ہو جاتے ہیں کہ ہم میں یہ نہیں اور نیکی اور تقوےٰ کا کمال اسی میں سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ہم مشہور بدیوں چوری زنا خون ناحق غیبت بددیانتی ڈاکہ

بدنظری وغیرہ موٹی موٹی بدیوں سے بچتے ہیں بس اب ہم نے نیکی اور تقوے کے تمام مدارج حاصل کر لئے ہیں اور ہم بھی کچھ ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو یہ کچھ بھی چیز نہیں ہے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو چوری نہیں کرتے بہت سے ایسے ہیں جو زنا نہیں کرتے بہت سے ایسے ہیں جو ڈاکہ نہیں مارتے خون نہیں کرتے یا بدنظری یا بدکاری کی بدعادتوں میں مبتلا نہیں ہیں زیادہ سے زیادہ ہم اسے یہ کہ سکتے ہیں کہ اس نے بعض بدیوں کو ترک کیا ہے خواہ وہ عدم قدرت کی وجہ سے ہی ہو بلکہ جو چوری اور زنا نہیں کرتا تو آخر انکے برے انجام اور عذاب سے بھی تو محفوظ رہتا ہے اس کا کسی پر احسان نہیں ہے اگر کرتا تو خود دکھ پاتا بدمعاشوں میں لکھا جاتا کنجر کہلاتا کیونکہ زنا کاری کنجروں کا کام ہے اگر اس نے ان کاموں کو نہیں کیا تو صرف اتنی بات ہوئی کہ بدمعاشوں کے رجسٹر سے اسکا نام کٹ گیا لیکن نیکوں کے طبقہ اور رجسٹر میں داخل بھی نہیں ہوا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایمان کیساتھ ہر جگہ عمل صالحہ کی شرط لگا دی ہے کہ اگر وہ بدی سے بچتا ہے تو عمل صالحہ کر کے نیکیوں میں ترقی کرے۔ مگر دیکھا جاتا ہے۔ کہ حقیقی نیکی کے اختیار کرنے میں لوگ بہت سست ہیں اور اکثر لوگ اس بات پر فخر کرتے ہیں اور صرف اسی کو ہی تقوے اور نیکی تصور کرتے ہیں کہ وہ فلاں بدی کے مرتکب نہیں ہوئے حالانکہ بدی کے ترک کا نام نیکی نہیں ہے۔ نیک و صالح اسوقت کہلائیگا جبکہ وہ نیکی اور صلاحیت کے کام کریگا۔ پس جب تک کسی کے پاس حقیقی نیکیوں کا ذخیرہ نہیں ہے تب تک وہ نہ مومن ہے نہ صالح۔ غرض قرآن مجید صرف اتنا ہی نہیں چاہتا کہ انسان ترک شر کر کے سمجھ لے کہ بس میں صاحب کمال ہو گیا بلکہ وہ تو انسان کو اعلےٰ درجہ کے کمالات اور اخلاق فاضلہ سے متصف کرنا چاہتا ہے اور اس سے ایسے ایسے اعمال صالحہ چاہتا ہے۔ جو بنی نوع کی بھلائی اور ہمدردی پر مبنی ہوں اور ان کا نتیجہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاوے میں اس بات کو بار بار کہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی اپنی ترقی اور کمال روحانی کی یہی انتہا نہ سمجھ لے کہ میں نے ترک بدی کی کر لی ہے صرف ترک بدی نیکی کامل کے مفہوم اور منشاء کو اپنے اندر ہرگز ہرگز نہیں رکھتی۔ بار بار ایسا تصور کرنا کہ میں نے خون نہیں کیا خوبی کی بات نہیں۔ کیونکہ خون کرنا ہر ایک شخص کا کام نہیں ہے ایسی بدیوں سے

پرہیز زیادہ سے زیادہ آدمی کو بدمعاشوں کے طبقہ سے خارج کردیتا ہے یا عدالت کی سزاؤں سے بچالیتا ہے اِس سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں مگر وہ جماعت جس کا ذکر اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے صرف ترک بدی سے ہی نہیں بنے تھے بلکہ انہوں نے اپنے مال جان عزت آرام آسائش کو اللہ جلشانہ کی راہ اور تحصیل رضاء الٰہی اور خلق اللہ کی بہبودی و ہمدردی میں وقف کردیا تھا تب وہ جاکر ان مدارج عالیہ پر پہنچے کہ ان کو پروانہ خوشنودی مزاج رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ[۱] کا دیا گیا اور اعملوا ما شئتم قد غفرت لکم کا ساٹیفکٹ[۲] انکو دربار الٰہی سے عطا ہوا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ اسوقت مسلمانوں کی یہ حالت ہورہی ہے کہ کسب خیر تو ایک عظیم الشان کام ہے اور وہی اصل مقصد ہے وہ تو ترک بدی میں بھی سست نظر آتے ہیں پھر ان کاموں کا تو ذکر ہی کیا ہے جو صلحا کے کام ہیں بس تم کو چاہیئے کہ تم ایک ہی بات اپنے لئے کافی نہ سمجھ لو ہاں اوّل بدیوں سے پرہیز کرو اور پھر انکی بجائے نیکیوں کے حاصل کرنے اور اس میں ترقی اور استقلال کرنے کی پوری پوری کوشش کرو اور پھر خدا تعالےٰ کی توفیق اور اس کا فضل مانگو جیسے فرمایا اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْن یعنی ہم تیری ہی فرمانبرداری کرتے ہیں یعنی موجودہ قوےٰ اور توفیق اور استطاعت جو تو نے ہم کو عطا فرمائی ہے۔ ان سے کام لیکر تیرے دربار میں ہم حاضر ہوئے ان پر اس سے ترقی کرنے کیلئے تو ہی مدد فرما اور توفیق و استطاعت عطا فرما جب تک انسان ان دونوں صفات سے متصف نہیں ہوتا یعنی بدیاں چھوڑ کر نیکیاں حاصل نہیں کرتا وہ اُس وقت تک مومن صالح نہیں کہلاتا اسی لئے خدا تعالےٰ نے سورہ فاتحہ میں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی دعا تعلیم فرمائی کہ انسان صرف بدیوں کا چھوڑنا ہی نیکی نہ جان لے بلکہ کامل مومن بننے کیلئے کوشش کرے یہانتک کہ وہ انعامات اسکو بھی مل جاویں جو نبیوں صدیقوں شہیدوں صالحین کو ملے یعنی مکالمات مخاطبات الٰہیہ کے مورد بنجاویں جبتک انعامات الٰہی حاصل نہ کریگا تب تک نیک اور صالح نہیں کہلائیگا دیکھو اللہ جلشانہ نے یہ دعا نہیں سکھلائی کہ تو مجھے فاسقوں فاجروں میں داخل نہ کر بلکہ یہ سکھلایا کہ انعام والوں میں داخل کر اسکے آگے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْن کی دعا سکھلائی یعنی اے اللہ ان لوگوں کی راہ نہ دکھلا جن پر غضب ہوا اور نہ راہ گمراہوں کی

۱؎ اعمال حسنہ میں اس قدر ترقی کی کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا اور اللہ تعالےٰ نے اسقدر انعام دیئے کہ وہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگئے ۲؎ جو کام چاہو کرو میں تمہاری مغفرت کرچکا۔

ان آیات شریفہ سے ظاہر ہے کہ تکمیل نفس مومن اُس وقت ہوتی ہے جب وہ دو شربت پی لیتا ہے۔ اول شربت کافوری جس کے پینے سے جذباتِ نفس امارہ دب جاتے ہیں اور نفس بالکل ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اور بدیوں کے لئے کسی قسم کی حرارت اس میں نہیں رہتی اور بدیوں کی زہریلی خواہش ہی سرد ہو جاتی ہے۔ جیسے کافور میں یہ ایک خاصہ ہے کہ زہریلے مواد اس سے دب جاتے ہیں اسی طرح جو جو زہر گناہ اور بدی کا اسکے اندر ہوتا ہے وہ اُس شربت کے پینے سے جذب ہو کر دب جاتا ہے اور وہ مواد ردیہ جن کے جوش سے روح انسان ہلاک ہو جاتی ہے۔ وہ اُٹھ نہیں سکتے بلکہ انکی زہر کا اثر بالکل معدوم ہو جاتا ہے۔

اور دوسرا شربت زنجبیل ہے اُسکے پینے سے انسان کو نیکی کرنے کی اسقدر طاقت قوت حاصل ہو جاتی ہے کہ اللہ جلشانہٗ کی راہ میں مشکل سے مشکل پہاڑ پر بھی چڑھنا اُسکو آسان ہو جاتا ہے اسی واسطے سورہ فاتحہ میں ان دونوں شربتوں کی طرف اشارہ فرمانے کے لئے اس طرح تعلیم دُعا فرمائی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ گویا یہ شربت زنجبیلی ہے اور غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ شربت کافوری ہے۔ اگر اسی قدر مقصود ہوتا کہ جو بعض لوگ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ صرف موٹی موٹی بدیوں سے پرہیز کرنا ہی کمال ہے تو اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دُعا تعلیم نہ ہوتی جس کا انتہائے اور آخری مرتبہ اور مقام خدا تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے انبیاء علیہم السلام کا اتنا ہی تو کمال نہ تھا کہ وہ چوری چکاری نہ کیا کرتے تھے بلکہ وہ تو خدا تعالیٰ کی محبت صدق و وفا میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے پس اس دُعا کی تعلیم سے یہ سکھایا کہ نیکی اور انعام الٰہی پانا ایک الگ شے ہے جبتک انسان اسے حاصل نہیں کرتا۔ اُس وقت تک وہ صالح نہیں کہلا سکتا۔ اور زمرہ منعم علیہم میں داخل نہیں ہوتا۔

اب ایک مشکل اور درپیش ہے کہ انسان موٹی موٹی بدیوں کو تو بآسانی چھوڑ بھی دیتا ہے مگر بعض بدیاں ایسی باریک اور مخفی ہوتی ہیں کہ اول تو انسان کو اُنکا علم ہی مشکل سے ہو سکتا ہے پھر اگر علم ہو بھی جاوے تو انکا چھوڑنا اور بھی مشکل ہوتا ہے اسکی

ایسی مثال ہے کہ تپ محرقہ اگرچہ سخت تپ ہے مگر اس کا علاج کھلا کھلا ہو سکتا ہے۔ مگر تپ دق جو اندر ہی اندر کھا رہا ہے اُس کا علاج بہت مشکل ہے اسی طرح پر یہ باریک اور مخفی بدیاں ہوتی ہیں جو انسان کو بڑے بڑے فضائل کے حاصل کرنے سے محروم کر دیتی ہیں۔ یہ اخلاقی بدیاں ہوتی ہیں جو ایک دوسرے کیساتھ میل ملاپ اور معاملات میں پیش آتی ہیں اور ذرا ذرا سی بات اور اختلاف رائے پر دلوں میں بغض کینہ حسد ریا تکبر پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اپنے بھائی کو حقیر سمجھنے لگ جاتا ہے یا اگر چند روز نماز سنوار کر پڑھی ہے اور لوگوں نے اسکی تعریف شروع کی تو ریا اور عجب خود پسندی اُونمو پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ اصلی غرض جو اخلاص تھی جاتی رہتی ہے اور اگر اللہ جلشانہٗ نے اسکو دولت یا علم دیا ہے یا کوئی خاندانی وجاہت یا عزت حاصل ہے تو اسکی وجہ سے اپنے دوسرے بھائی کو جس کو یہ باتیں میسر نہیں، حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے اور اپنے کسی بھائی سے ضد یا عداوت ہو گئی ہے۔ تو اُس کی عیب جوئی پر حریص ہو جاتا ہے۔ پھر تو رات دن اسکی عیب چینی میں گذرتی ہے یا کسی کے قرب حاصل کرنے کیلئے اپنے بھائی کے عیب اسکے آگے بیان کرتا ہے تا کہ اس کو نکال کر وہ منصب ضرور حاصل کرے حالانکہ وہ عیب خود اس میں موجود ہوتے ہیں یہی وہ باریک بدیاں ہیں جنکا ترک کرنا مشکل ہے ایسے ہی تکبر بھی ہے اور وہ مختلف رنگوں میں ہوتا ہے کسی میں کسی رنگ میں اور کسی میں کسی طرح علماء علم کے رنگ میں اس میں گرفتار ہیں علمی طور پر دوسرے عالم کی نکتہ چینی کر کے اُسکو نقصان پہنچانا ذلیل کرنا اور لوگوں کی نظر سے اُسکو گرانا چاہتے ہیں رات دن اُسکے عیبوں کی جستجو میں رہتے ہیں اس قسم کی باریک بدیونکا دور کرنا بہت ہی مشکل ہے مگر شریعت ان باتوں کو جائز نہیں رکھتی۔ ان بدیوں میں صرف عوام ہی مبتلا نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ بھی مبتلا پائے جاتے ہیں جو متعارف اور موٹی موٹی بدیاں نہیں کرتے بلکہ عالم فاضل اور خواص سمجھے جاتے ہیں۔ ان سے خلاصی پانا اور مرنا ایک بات ہے جبتک ان بدیوں کی ظلمت سے نجات حاصل نہ کرے تزکیہ نفس کامل طور پر حاصل نہیں ہوتا اور انسان اُن انعامات اور کمالات کا وارث نہیں بن سکتا جو تزکیہ نفس کے بعد

خدا تعالیٰ کے حضور سے ملا کرتے ہیں بعض لوگ اپنی جگہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ اُنہوں نے ان اخلاقی بدیوں سے خلاصی پالی ہے۔ لیکن جب کبھی کوئی موقعہ آجاتا ہے اور کسی آدمی سے مقابلہ ہوجاتا ہے تو اُس وقت اس کو بڑا جوش آجاتا ہے اپنے تعلّی اور کبر کے خیال کو دبا نہیں سکتا۔ پھر وہ گند اُس سے ظاہر ہوتے ہیں جن کا وہم و گمان بھی اُس پر نہیں ہوتا۔ اُس وقت پتہ لگتا ہے۔ کہ ابھی اُس نے خلاصی نہیں پائی اور ابھی کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔ اور وہ تزکیۂ نفس جو صلحاء کو حاصل ہوتا ہے۔ جو اصل کمال کی علامت ہے۔ میسّر نہیں آیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تزکیّہ جس کو اخلاقی تزکیہ کہتے ہیں بہت ہی مشکل ہے اور اللہ جلشانہٗ کے فضل کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اس فضل کے جذب کرنے کے لئے بھی وہی تین پہلو ہیں۔ جو ابھی ذکر ہوئے یعنی اوّل مجاہدہ اور تدبیر دوم دعا سوم صحبتِ صادقین۔ یہ فضل انبیاء علیہم السّلام پر بدرجہ کمال ہوتا ہے۔ کہ اللہ جلشانہٗ اوّل ان کا تزکیّہ اخلاقی کامل طور پر خود کر دیتا ہے۔ ان میں بداخلاقیوں اور رذائل کی آلائش رہ ہی نہیں پاتی۔ اُن کی حالت تو یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ سلطنت پاکر بھی وہ فقیر ہی رہتے ہیں اور کسی قسم کا کبر اُنکے نزدیک بھی نہیں آتا۔ اور باوجود بڑا ہونیکے اپنے آپ کو بڑا نہیں جانتے۔ درحقیقت یہ گند جو نفس کے جذبات کا گند ہے اور جو بداخلاقی عجب کبر و ریا وغیرہ صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے اس پر موت نہیں آتی جبتک اللہ جلشانہٗ کا فضل نہ ہو۔ اور یہ مواد ردیّہ جل نہیں سکتے جبتک معرفت الٰہی کی آگ ان کو نہ جلائے۔ جس میں یہ معرفت کی آگ پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ ان اخلاقی کمزوریوں سے پاک ہونے لگ جاتا ہے۔ اور بڑا ہوکر اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے۔ اور اپنی ہستی کی کچھ حقیقت نہیں پاتا۔ وہ اس نور اور روشنی کو جو انوار معرفت سے اُسے ملتی ہے اپنی کسی قابلیّت اور خوبی و رعمل کا نتیجہ نہیں سمجھتا۔ اور نہ اُسے اپنے نفس کی طرف منسوب کرتا ہے۔ بلکہ وہ اُسے اللہ جلشانہٗ کا فضل اور رحمت یقین کرتا ہے جیسے ایک دیوار پر آفتاب کی روشنی اور دھوپ پڑ کر اُسے منوّر کر دیتی ہے لیکن دیوار کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اپنا فخر کرے کہ یہ روشنی میری قابلیت کی وجہ سے ہے۔ بلکہ یہ فخر تو آفتاب کو ہے اور

نہ اُس کو یہ بھی حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ آفتاب کو اس پر روشنی دینے سے دور کرے وہ آفتاب کو کہہ نہیں سکتی کہ تو دور ہو جا اپنی شعاع کو مجھ سے ہٹا لے۔ اسی طرح پر انبیاء علیہم السلام کے نفوس صافیہ ہوتے ہیں۔ اللہ جلشانہٗ کے فیضان اور فیوض سے معرفت کے انوار اُن پر پڑتے ہیں اور اُن کو روشن کر دیتے ہیں اسی سے وہ ذاتی طور پر کوئی دعوے نہیں کرتے۔ بلکہ ہر ایک فیض وفضل کو اللہ جلشانہٗ کی طرف ہی منسوب کرتے ہیں اور یہی سچ بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پوچھا گیا کہ کیا آپ اپنے اعمال سے داخل جنّت ہونگے تو یہی فرمایا کہ ہرگز نہیں بلکہ محض اللہ جلشانہٗ کے فضل سے انبیاء علیہم السّلام کبھی کسی قوت اور طاقت کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے وہ خدا تعالیٰ ہی سے پاتے ہیں اور اُسی کا نام لیتے ہیں ہاں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السّلام سے نیچے کے ہوتے ہیں۔ بلکہ کروڑوں حصّہ نیچے کے درجہ میں ہوتے ہیں وہ دو دن نماز پڑھکر تکبّر کرنے لگ جاتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ اُن میں تکبّر کی کوئی رگ رہ جاتی ہے اور ایسا ہی روزہ، ورحج سے بھی بجائے تزکیہ نفس اور تقوے حاصل کرنیکے اُن میں تکبّر اور نمود پیدا ہو جاتا ہے۔ تکبّر ایسی بلا ہے کہ انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ یاد رکھّو تکبّر شیطان سے آتا ہے اور تکبّر کرنے والے کو شیطان بنا دیتا ہے۔ جبتک انسان اس راہ سے قطعاً دور ہو قبول حق و فیضان الوہیت ہرگز نہیں پا سکتا۔ کیونکہ یہ تکبّر اسکی راہ میں روک ہو جاتا ہے پس کسی طرح سے بھی تکبّر نہیں کرنا چاہیئے۔ علم کے لحاظ سے نہ دولت کے لحاظ سے نہ وجاہت کے لحاظ سے نہ ذات اور خاندان اور حسب نسب کی وجہ سے کیونکہ زیادہ تر تکبّر انہیں باتوں سے پیدا ہوتا ہے رجبتک انسان اپنے آپکو ان گھمنڈوں سے پاک صاف نہ کریگا۔ اُسوقت وہ اللہ جلشانہٗ کے نزدیک پسندیدہ و برگزیدہ نہیں ہو سکتا اور وہ معرفت الٰہی جو جذبات نفسانی کے مواد ردّیہ کو جلا دیتی ہے اُسکو عطا نہیں ہوتی کیونکہ یہ گھمنڈ شیطان کا حصّہ ہے اسکو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا شیطان نے بھی یہی گھمنڈ کیا اور اپنے آپکو آدم علیہ السّلام سے بڑا سمجھا اور کہدیا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ[1]

[1] ترجمہ۔ میں اس سے اچھا ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اُسکو مٹی سے۔ ایڈیٹر

نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ بارگاہ الٰہی سے مردود ہو گیا۔ اسلئے ہر ایک کو اس سے بچنا چاہئے جب تک انسان کو کامل معرفت الٰہی حاصل نہ ہو وہ لغزش کھاتا ہے اور اس سے متنبہ نہیں ہوتا مگر معرفت الٰہی جس کو حاصل ہو جائے اگرچہ اس سے کوئی لغزش ہو بھی جاوے تب بھی اللہ تعالیٰ اُس کی محافظت کرتا ہے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش پر اپنی کمزوری کا اعتراف کیا اور سمجھ لیا کہ سوائے فضل الٰہی کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دعا کرکے اللہ تعالیٰ کے فضل کا وارث ہوا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ[1] یہی سِرّ ہے کہ جب حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو کہا گیا کہ اے نیک اُستاد تو چونکہ اُنکو علم تھا کہ جب تک خدا تعالےٰ کسی کو نیک نہ کرے وہ نیک نہیں ہو سکتا اسلئے فوراً انکار کیا اور اُسے کہدیا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ تاکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ میں نیکی کو اپنی طرف منسوب کرتا ہوں حقیقی نیکی تو خدا تعالیٰ کے پاس ہے وہ جب چاہے اپنے فضل سے عطا کرے۔ جب چاہے شامت اعمال کے سبب سلب کر لے اس پر آجکل کے نادان عیسائی تو یہ کہتے ہیں کہ اُنکا مطلب اس فقرہ سے یہ تھا کہ تو مجھے خدا یا خدا کا بیٹا کیوں نہیں کہتا حالانکہ حضرت مسیحؑ نے بہت ہی لطیف بات کہی تھی جو انبیاء علیہم السلام کی فطرت کا خاصہ ہے کہ حقیقی نیکی تو خدا تعالیٰ ہی سے آتی ہے وہی اسکا چشمہ ہے اور وہیں سے وہ اُترتی ہے۔ مگر ان نادانوں نے ایک عمدہ اور قابل قدر بات کو معیوب بنا دیا اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو معاذ اللہ ایک متکبر ثابت کیا حالانکہ وہ ایک منکسر المزاج انسان تھا۔

پس میرے نزدیک تکبّر سے پاک ہونیکا یہی ایک عمدہ طریق ہے اور ممکن نہیں کہ اس سے بہتر کوئی اور طریق مل سکے۔ سوائے اسکے کوئی انسان تکبّر سے پاک نہیں ہو سکتا وہ یہ ہے۔ کہ انسان کسی قسم کا تکبّر فخر علم خاندان مال وغیرہ کا نہ کرے اپنے آپ کو کسی سے بڑا نہ جانے بلکہ دوسرے کو بہتر سمجھے انہیں اقسام کے تکبّر لوگوں میں ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی کو آنکھ عطا فرماتا ہے۔ تو وہ دیکھ لیتا ہے۔ کہ ہر ایک روشنی جو ان ظلمتوں کو دور کرتی ہے اور ان سے نجات دے سکتی ہے وہ آسمان سے ہی آتی ہے پس انسان

(تکبر سے پاک ہونیکا ایک عمدہ طریق)

[1] ترجمہ: اے رب ہمارے ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تیری حفاظت ہمیں نہ بچاوے اور تیرا رحم ہماری دستگیری نہ کرے تو ہم ضرور ٹوٹے والوں میں سے ہو جائیں۔ منہ

ہر وقت آسمانی روشنی کا محتاج ہے۔ ظاہری ہو خواہ باطنی۔ دیکھو آنکھ بھی نہیں دیکھ سکتی جبتک سورج کی روشنی جو آسمان سے آتی ہے نہ آجاوے۔ اسی طرح باطنی روشنی جو ہر ایک قسم کی ظلمت کو دور کرتی ہے اور اسکی بجائے تقویٰ و طہارت کا نور پیدا کر دیتی ہے۔ خدا تعالیٰ ہی سے آتی ہے میں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا تقویٰ طہارت ایمان عبادت سب کچھ آسمان سے ہی آتے ہیں اور یہ خدا تعالیٰ کے محض فضل پر موقوف ہے وہ چاہے اپنے فضل سے ہدایت عطا فرماوے اور اس پر استقامت بخشے۔ چاہے تو اس کے اعمال بد کی سزا میں گمراہی میں رہنے دے۔ **سچی معرفت** اس کا نام ہے کہ انسان نفسانیت سے اپنے آپ کو مسلوب اور محض لاشے سمجھے۔ اور آستانہ الوہیت پر گر کر انکسار اور عجز کے ساتھ خدا تعالےٰ سے نور اور فضل طلب کرے۔ اور اس نورِ معرفت کو مانگے۔ جو جذباتِ نفس کو جلا دیتا ہے اور انسان کے اندر ایک روشنی اور نیکیوں کے لئے قوت اور حرارت پیدا کر دیتا ہے۔ جب وہ نور اللہ تعالےٰ کے محض فضل سے حاصل ہو جاوے اور کسی وقت کسی قسم کا بسط و شرح صدر اس کو حاصل ہو جاوے تو اُس پر کسی قسم کا غرور اور ناز نہ کرے بلکہ اس کی انکسار اور فروتنی میں اور بھی ترقی ہو اور کوئی چیز اپنی طرف سے نہ سمجھے اور نہ اپنی طرف منسوب کرے۔ کیونکہ جس قدر اپنے آپکو لاشے اور خالی محض سمجھیگا اُسی قدر فیوض اور انوار و برکات اللہ تعالیٰ سے نزول فرمائینگے۔ جو اس کو روشنی اور ایمانی قوت پہونچائینگے۔ اگر انسان یہ طریق اختیار کریگا تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسکی اخلاقی حالت عمدہ ہوتی جاوے گی اپنے آپ کو کچھ سمجھنا اسی کا نام تکبر ہے۔ اور اسی کی وجہ سے انسان دوسرے بھائی کو حقیر ذلیل اور اپنے سے کمتر سمجھتا ہے۔ اور اُس پر لعنت کرتا ہے۔ میں یہ سب باتیں بار بار اس لئے کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے جو اس جماعت کو بنانا چاہا ہے تو اس سے یہی غرض رکھی ہے کہ وہ حقیقی معرفت جو دُنیا سے مفقود ہو گئی تھی اور وہ حقیقی تقوےٰ و طہارت جو اس زمانہ میں پائے نہیں جاتے تھے دوبارہ اُسے قائم کرے عام طور پر تکبر دنیا میں پھیلا ہوا ہے علما اپنے علم کی شیخی اور تکبر میں گرفتار ہیں۔ فقراء کو دیکھو تو

اُن کی حالت اور ہی قسم کی ہو رہی ہے۔ اُنکو اصلاح نفس سے کوئی بھی غرض نہیں جسقدر مجاہدے اور ریاضتیں ان لوگوں نے خود تجویز کئے ہوئے ہیں وہ سب گمراہی اور بدعات ہیں اور صرف لفظ ہی لفظ اور جسم ہی جسم ہیں روحانیت کا نام ونشان اُن میں نہیں اسلئے انکے مجاہدے وریاضتیں بھی کچھ اور ہی قسم کے ہیں جیسے ذکر ارہ وغیرہ۔ جن کا پتہ چشمۂ نبوت سے قطعاً نہیں چلتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ نفس کو پاک کرنیکی طرف انکی توجہ ہی نہیں اور نہ یہ انکے مصنوعی مجاہدے دل کو پاک کرسکتے ہیں اور نہ کوئی حقیقی نور معرفت کا ان سے حاصل ہوسکتا ہے۔ پس یہ زمانہ اُس اصلی تقویٰ وطہارت سے اسوقت بالکل خالی پڑا تھا طریق نبوی کو جو پاک ہونیکا ذریعہ تھا بالکل ترک کردیا گیا۔ اب اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ وہ عہد نبوت اس زمانہ میں دوبارہ آئے اور وہی تقویٰ طہارت پھر قائم ہوجاوے اسلئے اللہ تعالےٰ کی غرض اس جماعت سے یہ ہے کہ گم شدہ معرفت کو دوبارہ دنیا میں اس جماعت کے ذریعہ قائم کردے۔

(شریعت کے دو پہلو ہیں)

پس تمہارا فرض ہے۔ کہ حقیقی اصلاح کی طرف کامل اور انتھک کوشش کرو۔ مگر وہ کوشش اسی طرح پر ہو جس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنی خود ساختہ تدابیر کا اُنمیں دخل نہ دو۔ شریعت کے دو ہی پہلو اور بڑے حصے ہیں جنکی حفاظت ہر ایک انسان کو ضروری ہے ایک حق اللہ دوسرا حق العباد۔ حق اللہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی محبت اسکی عبادت اسکے خوف اسکی اطاعت میں اسکی ذات میں صفات میں کسی کو شریک اور برابر نہ بنایا جائے اور حق العباد یہ کہ تکبر خیانت ظلم وغیرہ بد خلقی کسی نوع کی اپنے کسی بھائی سے نہ کی جاوے۔ گویا اخلاقی حصہ میں کسی قسم کا فتور نہ واقع ہو اور کماحقہٗ حقوق اخوت کی نگہداشت کی جاوے۔ سُننے میں تو یہ دو ہی فقرے ہیں۔ مگر عمل کرنے میں بہت ہی مشکل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہو تو انسان دو ہی پہلوؤں پر قائم رہ سکتا ہے کسی میں قوت غضبی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ جب ذرا سی بات پر غضب میں آجاتا ہے اور قوت غضبی جوش مارتی ہے تو نہ دل اُس کا پاک رہ سکتا ہے نہ زبان دل میں کینہ رکھتا ہے اور اندر ہی اندر اپنے بھائی کے خلاف ناپاک منصوبے سوچتا رہتا ہے

اور زبان سے گالی دیتا ہے کسی میں قوت شہوت غالب ہوتی ہے اور وہ اس میں گرفتار ہو کر حدود اللہ کو توڑتا ہے۔ غرضیکہ جب تک انسان کی اخلاقی حالت بالکل درست نہ ہو وہ **کامل ایمان** جو منعم علیہ گروہ میں داخل کرتا ہے اور جسکے ذریعہ سچی معرفت کا نور پیدا ہوتا ہے۔ داخل نہیں ہوتا پس سچا موحد بننے کے بعد اخلاقی حالت کی اصلاح کے لئے حتی الوسع کوشش دن رات کرنی چاہیئے میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت اخلاقی حالت بہت ہی گری ہوئی ہے۔ اکثر لوگوں میں بدظنی کا مرض بہت ہی بڑھا ہوا ہے ادنے ادنے سی بات پر اپنے دوسرے بھائی کی نسبت برے برے خیالات کرتے ہیں اور نیک ظنی نہیں کرتے۔ بلکہ ایسے ایسے عیوب اس کی طرف کوئی منسوب کرنے لگ جاتے ہیں جو اس میں نہیں ہوتے اور اگر وہی عیوب اس کی طرف کوئی منسوب کرے تو اس کو سخت ناگوار معلوم ہو پس اول یہ بڑی ضروری بات ہے۔ کہ حتی الوسع اپنے بھائیوں پر بدظنی نہ کرے اور ہمیشہ نیک ظن رکھا جاوے۔ کیونکہ اس سے محبت اور انس بڑھتا ہے اور آپس میں میل جول بڑھنے سے جماعت کی قوت پیدا ہوتی ہے اور دوسروں کو نقطہ چینی کرنیکا موقع نہیں ملتا اور خود انسان بھی دوسرے عیوب حسد کینہ بغض وغیرہ سے بچا رہتا ہے۔ پھر میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے ہیں جن کو اپنے بھائیوں کی نسبت کچھ بھی ہمدردی نہیں مشکلات کیوقت اپنے اوقات مال طاقت کو دوسرے کیلئے خرچ نہیں کرتے۔ اگر ایک بھائی بھوکا مرتا ہو تو دوسرا کچھ بھی توجہ نہیں کرتا اور اس کی خبر گیری کے لئے تیار نہیں ہوتا یا اگر وہ کسی اور قسم کی مشکلات میں گرفتار ہو تو اسکے لئے اپنے مال کا کچھ حصہ بھی خرچ نہیں کرتے۔ حدیث شریف میں ہمسایہ کی خبر گیری اور اسکے ساتھ ہمدردی کرنیکا حکم آیا ہے۔ بلکہ یہاں تک بھی آیا ہے کہ ہانڈی میں پانی زیادہ ڈالو اور اپنے ہمسائے کو بھی دو۔ دیکھو کس قدر تاکید ہمدردی کی ہے۔ مگر برخلاف اسکے آجکل اس حدیث کی کوئی بھی پرواہ نہیں کرتا بلکہ اپنا ہی پیٹ پالتے ہیں۔ مگر ہمسایہ سے یہی مطلب نہیں جو اپنے گھر کے ساتھ رہتا ہو بلکہ تمہارے بھائی جو تم سے ہزاروں اور سینکڑوں کوس کے فاصلہ پر رہتے ہیں وہ سب تمہارے ہمسائے ہی ہیں تمہیں چاہیئے کہ ان سب سے نیک ظن رکھو

اور ہمدردی کا کسی پہلو سے بھی ان سے دریغ نہ کرو۔ ہر شخص کو ہر روز مطالعہ کرنا چاہیئے کہ وہ کہاں تک ان امور کی پرواکرتا ہے اور کہانتک اپنے بھائیوں سے ہمدردی اور سلوک کرتا ہے اس کا بڑا بھاری مطالبہ انسان کے ذمہ ہے۔ خدا تعالیٰ تمہاری ہمدردیوں کا بھوکا نہیں اور نہ اُسے کوئی پرواہ ہے وہ تمہارے ہی فائدے کیلئے احکام نازل کرتا ہے اور تمہاری بہتری کو پسند کرتا ہے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایک گروہ کو کہیگا کہ میں بُھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ دیا میں بیمار تھا تم نے میری عیادت نہ کی میں مفلس تھا تم نے میری دستگیری نہ کی جن لوگوں سے یہ سوال ہوگا وہ حیران ہو کر کہینگے۔ کہ اے ہمارے رب تو کب بھوکا تھا جو ہم نے تجھے کھانا نہ دیا۔ تو کب پیاسا تھا جو ہم نے پانی نہ دیا اور تو کب بیمار تھا کہ جو ہم نے تیری عیادت نہ کی اور کب مُفلس تھا جو ہم نے تیری دستگیری نہ کی۔ تب خدا تعالیٰ جواب میں فرمائیگا کہ میرا فلاں بندہ جو تھا وہ ان باتوں کا محتاج تھا۔ مگر تم نے اُس کی کوئی ہمدردی نہ کی۔ اُس کی ہمدردی میری ہی ہمدردی تھی۔ ایسا ہی ایک اور جماعت کو فرمائیگا۔ کہ شاباش تم نے میری ہمدردی کی میں بُھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا وغیرہ وغیرہ وہ جماعت عرض کریگی کہ اے ہمارے رب ہم نے کب تیرے ساتھ ایسا کیا تب اللہ تعالےٰ جواب میں فرمائیگا کہ میرے فلاں بندے کے ساتھ جو تم نے ہمدردی کی وہ ہمدردی میرے ساتھ ہی تھی درحقیقت خدا تعالےٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرنا بہت ہی بڑی بات ہے اور خدا تعالیٰ اُس کو بہت ہی پسند کرتا ہے اس سے بڑھکر اور کیا ہوگا کہ وہ اُس کی ہمدردی کو اپنی ہمدردی قرار دیتا ہے عام طور پر دنیا میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ اگر کسی کا خادم کسی اسکے دوست کے پاس جاوے اور وہ شخص اسکی خبر گیری نہ کرے نہ رات کو آرام کی جگہ دی جاوے نہ کھانے پینے کو کچھ دیا جاوے تو کیا وہ آقا جس کا یہ خادم ہے اپنے اس دوست سے خوش ہوگا ہرگز نہیں بلکہ اسکے دل میں گذریگا کہ اس نے میرے آدمی کی کچھ بھی قدر نہ کی اس نوکر ہی کی خدمت اور اسکے ساتھ حسن سلوک گویا مالک کے ساتھ ہی حسن سلوک ہے۔ خدا تعالےٰ کو بھی

اسی طرح اس بات کی چڑ ہے کہ کوئی شخص اسکی مخلوق کیساتھ سرد مہری کرے کیونکہ اُسکو اپنی مخلوق بہت پیاری ہے پس جو شخص خدا تعالیٰ کی مخلوق کیساتھ ہمدردی کرتا ہے اور اخلاق سے پیش آتا ہے وہ گویا اپنے خدا کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے۔ اور اسکی رضامندی حاصل کرتا ہے۔ غرض حُسن اخلاق ہی ساری ترقیات کا زینہ ہے۔ میری دانست میں یہی پہلو حقوق العباد کا ہے جو حقوق اللہ کے پہلو کو (جو مخفی ہے) تقویت دیتا ہے۔ مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ جو شخص نوع انسان کے ساتھ حُسن اخلاق سے پیش آتا ہے۔ خدا تعالیٰ اُسکا ایمان کبھی بھی ضائع کرے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ بناوٹی اخلاق خدا تعالیٰ کیلئے نہیں ہوتے۔ جب انسان محض خدا تعالیٰ کی رضاء کیلئے یہ کام کرتا ہے۔ اور اپنے ضعیف بھائی کی ہمدردی کرتا ہے تو اس اخلاص سے اس کا ایمان اور بھی قوی ہو جاتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ نمائش و نمود کیلئے جو اخلاق کئے جاتے ہیں وہ اخلاق خدا تعالیٰ کیلئے نہیں ہوتے اور اخلاص کے نہ ہونیکے سبب ان سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا اس طرح اکثر لوگ سرائیں وغیرہ بنا دیتے ہیں۔ مگر اصل غرض اُنکی اس سے شہرت ہوتی ہے۔ اسلئے ان اخلاق کو حاصل کرنا چاہیئے۔ جن سے خدا تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی رضامندی کیلئے جو انسان اخلاق فاضلہ سے کام لیگا۔ اُس کا ایمان قوی ہوگا۔ خدا تعالیٰ کیلئے کوئی فعل اگر کیا جائے تو خواہ وہ کام کتنا ہی چھوٹا ہو اللہ تعالیٰ اُسے ضائع نہیں کرتا۔ اور اُس کا بدلہ اُسکو ضرور دیتا ہے۔ مَیں نے تذکرۃ الاولیاء میں پڑھا ہے کہ ایک ولی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بارش ہوئی اور کئی روز تک متواتر رہی۔ اِن بارش کے دنوں میں مَیں نے دیکھا کہ ایک اسی برس کا بوڑھا گبر ہے جو اپنے کوٹھے پر چڑیوں کیلئے دانے ڈال رہا ہے مَیں نے (اس خیال سے کہ کافر کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں) اُسے کہا کہ تیرے اس عمل سے کیا تجھے کچھ ثواب ہوگا اس گبر نے جواب دیا کہ ضرور ثواب ہوگا۔ پھر وہی ولی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جو مَیں حج کو گیا تو دیکھا تو وہی گبر طواف کر رہا ہے۔ اُس گبر نے مجھے پہچان لیا۔ اور کہا کہ دیکھو مجھے اُن دانوں کا ثواب مل گیا یا نہیں۔ یعنی وہی دانے اور اُن کا ثواب مجھے اسلام تک لایا۔ اور اُن کے سبب مجھے سچے مذہب کے قبول کرنے کی توفیق ملی۔

ایسے ہی اور ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک صحابی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایّام جاہلیّت میں مَیں نے بہت سا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا تھا مجھے اُس کا بھی کچھ ثواب ملیگا یا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ یہ اسی صدقہ وخیرات کا نتیجہ ہے جو تُو مسلمان ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کسی ذرّہ فعل کو بھی ضائع نہیں کرتا۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خلق اللہ کی ہمدردی اور خبر گیری حقوق اللہ کی حفاظت کا باعث ہو جاتی ہے۔ پس ہمدردی خلق اللہ کی ایک ایسی شے ہے کہ اگر انسان اسے چھوڑ دے اور اس سے دور ہوتا جاوے اور اس سے کام نہ لے تو انجام کار رفتہ رفتہ انسانیت سے نکلکر وحشی اور درندہ بن جاتا ہے۔ انسان کی انسانیت کا یہی تقاضا ہے اور وہ اُسی وقت تک انسان رہتا ہے۔ جب تک وہ اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ مروّت سلوک اور احسان سے کام لیتا رہے۔ جیسا کہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے بنی آدم اعضائے یکدیگر اند۔ اور اُن کا یہ کہنا صحیح اور ٹھیک ہے۔ یاد رکھو کہ ہمدردی کا دائرہ میرے نزدیک بہت ہی وسیع ہے۔ مَیں اُن لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور نہ اُن کی ایسی تعلیم کو پسند کرتا ہوں جو ہمدردی کو صرف اپنی قوم تک ہی محدود کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اپنی قوم سے ہی ہمدردی کرنی چاہیئے۔ غیر قوم سے ہرگز ہمدردی نہیں کرنی چاہیئے۔ مَیں تو تاکید کرتا ہوں کہ اپنی قوم اور غیر قوم سے برابر ہمدردی کرنی چاہیئے کسی قوم اور کسی فرد کو الگ نہیں رکھنا چاہیئے۔ مَیں آجکل کے بعض جاہلوں کیطرح یہ کہنا نہیں چاہتا کہ تم اپنی ہمدردی کو صرف مسلمانوں سے ہی مخصوص کرو نہیں نہیں میں کہتا ہوں کہ تم خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق کی ہمدردی کرو خواہ وہ کوئی ہو مسلمان ہو ہندو ہو عیسائی ہو یا کوئی اور۔ میں کبھی ایسے لوگوں کی باتیں پسند نہیں کرتا جو ہمدردی کو صرف اپنی ہی قوم سے مخصوص کرنا چاہتے ہیں وہ تو اس امر کو بھی جائز رکھتے ہیں کہ دوسرے کا مال زبردستی یا چوری یا جس طرح حاصل ہو سکے لے لیا جاوے۔ اور ہر قسم جور وظلم کو دوسرے لوگوں پر حلال جان لیا ہے بلکہ اُن میں بعض اس قسم کے خیالات بد بھی رکھتے ہیں کہ اگر ایک شیرے کے مٹکے میں ہاتھ ڈالا جاوے اور پھر اس کو تلوں (کنجد) میں ڈالکر تل لگائے

جاویں تو جس قدر تیل اُس کو لگ جاویں اُس قدر دھوکہ اور فریب دوسرے لوگوں کو دیسکتے ہیں۔ انکی ایسی بیہودہ اور خیالی باتوں نے بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے اور اُنکو قریباً وحشی اور درندہ بنا دیا ہے۔ مگر میں تمہیں بار بار یہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم ہرگز ہرگز اپنی ہمدردی کے دائرہ کو محدود نہ کرو۔ بلکہ اپنی ہمدردی کیلئے اُس تعلیم کی پیروی کرو جسکے اللہ تعالےٰ نے تین مراتب فرمائے ہیں اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی (۱) پ ۱۴ ع ۱۹
اوّل سب سے چھوٹی نیکی عدل کو قرار دیا ہے یعنی جو شخص تم سے نیکی کرے تم بھی اُسکے ساتھ ویسی ہی نیکی کرو یعنی نیکی کرنے میں عدل کو ملحوظ رکھو۔ پھر دوسرا درجہ یہ ہے کہ تم اُس سے بڑھ کر اُسکے ساتھ نیکی کرو اس درجہ کا نام احسان ہے اگرچہ یہ عدل سے بڑھا ہوا ہے اور بڑا خوبی اور نیکی کا کام ہے مگر اس میں بھی ایک نقص ہے کہ کبھی احسان کرنیوالے کے دل میں ریا یا خودی یا تکبر آسکتا ہے بلکہ ممکن ہے کہ کبھی نہ کبھی احسان کرنیوالا اپنا احسان جتلا بھی دے کہ میں نے تیرے ساتھ فلاں نیکی اور احسان کیا ہے مگر ان سب سے بڑھکر ایک اور تیسرا درجہ ہے جسکا نام اِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰے ہے اس میں ریا۔ خودی تکبر اور (مَنّ احسان جتلانا) اذی (دکھ دینا) کا نام ونشان بھی نہیں ہوتا وہ یہ ہے کہ انسان اپنے فطری جوش اور محبت ذاتی اور طبعی خواہش کے رنگ میں احسان کرے۔ جیسے ماں اپنے بچّہ کی پرورش کرتی ہے اس پرورش میں اجر اور صلے کی خواستگار نہیں ہوتی بلکہ اس کو بچّہ کی موت وزندگی کا کوئی علم بھی نہیں ہوتا صرف ایک طبعی جوش ہوتا ہے جو خدا تعالےٰ نے اُسکے دل میں ڈالا ہوا ہوتا ہے جس سے وہ بچّہ کی پرورش اور آرام کیلئے۔ بے اختیار اپنے سارے سکھ اور آرام قربان کر دیتی ہے۔ یہانتک کہ اگر کوئی بادشاہ کسی ماں کو حکم دیدے کہ تو اپنے بچّہ کو دودھ مت پلا اگر ایسا کرنے سے تیرا بچہ مر گیا تو اسکی کوئی سزا تجھے نہیں دیجاویگی تو کیا کوئی ماں ایسا حکم سُنکر خوش ہوگی اور اُسکی تعمیل کریگی ہرگز ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ تو اپنے دل میں اس بادشاہ کو کوسیگی کہ کیوں اُس نے ایسا حکم دیا پس اگر تم پورا نیک بننا چاہو تو اپنی نیکی کو ایتاء ذی القربےٰ (طبعی) کے درجہ تک پہنچاؤ اس طریق پر نیکی کیا کرو کہ طبعی مرتبہ تک اس کو پہنچا دو۔ کیونکہ جب کوئی شے ترقی کرتی کرتی اپنے کمال طبعی تک پہنچ جاتی ہے اُس وقت وہ کامل ہو جاتی ہے۔ جبتک کوئی شے ترقی کرتی کرتی اپنے طبعی مرتبہ تک

(۱) اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے عدل اور احسان اور قریبی رشتہ داروں کی طرح دینے کا۔ فضلدین

نہیں پہونچ جاتی تب تک وہ کمال کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی۔ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ انکی کو بہت ہی پسند کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اُسکی ساری مخلوق سے ہمدردی کیجاوے اگر وہ بدی کو پسند کرتا تو بدی کی تاکید کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے پاک اور برتر ہے (سبحانہٗ و تعالیٰ شانہٗ)

بعض لوگ جن کو حق کیساتھ دشمنی ہوتی ہے۔ جب ایسی تعلیم سُنتے ہیں تو اور کچھ نہیں تو یہی اعتراض کر دیتے ہیں کہ اسلام میں اگر ہمدردی کی تعلیم ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لڑائیاں کیوں کرتے وہ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جنگ کئے وہ تیرہ ۱۳ برس تک خطرناک دُکھ اور تکلیف پر تکلیف اُٹھانیکے بعد کئے اور وہ بھی صرف مدافعت کے طور پر تیرہ ۱۳ برس تک انکے ہاتھوں سے آپ تکالیف اُٹھاتے رہے۔ اُنکے عزیز دوست اور یاروں کو سخت سخت عذاب دیا جاتا رہا اور جور و ظلم کا کوئی بھی ایسا پہلو نہ رہا جو کہ مخالفوں نے اُنکے لئے نہ برتا ہو یہانتک کہ کئی مُسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اُنکے ہاتھ سے شہید بھی ہو گئے اور اُنکے ہر وقت کے ایسے شدید ظلموں سے تنگ آکر بحکم الٰہی شہر بھی چھوڑنا پڑا جب مدینہ منورہ کو تشریف لیگئے اور وہاں بھی ان ظالموں نے پیچھا نہ چھوڑا جب اُنکے ظلموں اور شرارتوں کی بات انتہا تک پہنچ گئی تو خدا تعالیٰ نے مظلوم قوم کو اس مظلومانہ حالت میں مقابلہ کا حکم دیا[1] اور وہ بھی اسلئے کہ شریر اپنی شرارت سے باز آجاویں اور اُنکی شرارت سے مخلوق خدا کو بچایا جاوے اور ایک حق پرست قوم اور دین حق کیلئے ایک راہ کھل جاوے[2] ورنہ کوئی بتلاوے کہ مکہ میں تیرہ ۱۳ سال تک رہ کر کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا باپ مارا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ۙ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ ۔ ۱۷ ترجمہ: اجازت دی گئی ہے اُن لوگوں کو جنکے ساتھ لڑائی کیجاتی ہے (جنکو شریر بیگناہ ستاتے ہیں) اسلئے کہ اُن پر ظلم کیا گیا اور اللہ تعالےٰ انکی مدد پر اندازہ کر چکا ہے جو لوگ نکالے گئے اپنے گھروں سے سوائے کسی حق کے مگر یہ کہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر اللہ تعالےٰ بعض آدمیوں کو دوسروں کی شرارت کی مدافعت نہ کرتا تو تمام گرجے اور کلیسے اور عبادت گاہ یہود اور مسجدیں گرائی جاتیں اور فیصل دیں۔

[2] وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ۭ فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۲۸

ترجمہ: اور انکے ساتھ جنگ کرتے رہو یہانتک کہ شرارت نہ رہے اور دین کا کام صرف اللہ تعالےٰ کا خالص ہو جاوے سو اگر باز آگئے پھر کوئی زیادتی نہیں مگر ظالموں پر [illegible]

نے کبھی بھی کسی کیلئے بدی نہیں چاہی۔ آپ تو رحم مجسم تھے اگر بدی چاہتے تو جب آپ نے انہیں ظالموں پر پورا تسلط حاصل کر لیا تھا اور شوکت اور غلبہ پکڑ لیا گیا تھا۔ تو آپ ان تمام ظالم ائمۃ الکفر کو جو ہمیشہ آپکو دُکھ دیتے رہتے اور بغاوت پر تُلے رہتے تھے قتل کروا دیتے تو کون پوچھتا تھا و نیز اس قتل کروا دینے سے بھی انصاف اور عدل کے رو سے آپکا پلہ بالکل ہر ایک قسم کے اعتراض سے پاک مبرا تھا۔ مگر با وجود اسکے کہ عرف علم کی طرف سے اور عقل و انصاف کے لحاظ سے آپکو حق تھا۔ کہ ان ائمۃ الکفر کو قتل کروا دیتے۔ مگر نہیں آپنے باوجود تسلط حاصل کرنیکے ..... کسی سے کسی قسم کا جائز قصاص اور بدلہ بھی روا نہیں رکھا بلکہ سب کو معاف کر دیا[1]۔ آجکل جو لوگ غدر و فساد برپا کرتے ہیں اور باغی و مفسد ہو جاتے ہیں انہیں کون پناہ دے سکتا ہے۔ جب ہندوستان میں غدر ہو گیا تھا اور اسکے بعد سرکار انگریزی نے تسلط کر لیا تو تمام شریر باغی مفسد ہلاک کر دیئے گئے اور سخت سے سخت عذاب پاتے رہے اور انکی یہ سزا بالکل انصاف پر مبنی تھی، باغی و مفسد کیلئے کسی قانون میں رہائی کا حکم نہیں لیکن یہ آپ ہی کا حوصلہ تھا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اس دن آپنے فرمایا کہ جاؤ تم سب کو بخشدیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نوع انسان کی بڑی ہمدردی تھی۔ کہ جس کی نظیر دنیا میں مل نہیں سکتی اسکے بعد بھی اگر کہا جاوے کہ اسلام دوسروں سے ہمدردی کی تعلیم نہیں دیتا یا اجازت نہیں دیتا تو اس سے بڑھکر اور کیا ظلم ہو گا۔ یقیناً یاد رکھو کہ مومن متقی کے دل میں شر نہیں ہوتا۔ مومن جسقدر متقی ہوتا جاتا ہے۔ اُسی قدر وہ کسی کی نسبت سزا اور ایذا کو پسند نہیں کرتا۔ مسلمان کبھی کینہ ور نہیں ہو سکتا۔ ہاں دوسری قومیں ایسی کینہ پرور ہوتی ہیں کہ انکے دل سے دوسرے کی بات کینہ کی کبھی نہیں جاتی۔ اور بدلہ لینے کیلئے ہمیشہ کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے مخالفوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے۔ کوئی دُکھ اور تکلیف جو وہ پہنچا سکتے تھے انہوں نے پہنچایا ہے لیکن پھر بھی انکی ہزاروں خطائیں بخشنے کو ہم اب بھی تیار ہیں پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو یاد رکھو کہ تم ہر شخص سے خواہ وہ کسی مذہب کا ہو ہمدردی کرو۔ اور بلا تمیز مذہب و قوم ہر ایک سے نیکی کرو۔

پھر قرآن شریف کی تعلیم ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (الدہر: ۹) وہ قیدی اور اسیر جو آتے تھے وہ تو اکثر کافر ہی ہوتے تھے

[1] لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (یوسف: ۹۳) ترجمہ۔ آج تم پر کوئی بھی ملامت نہیں۔

جن سے سلوک کرنیکی اس قدر تاکید کی گئی۔ اب دیکھو کہ اسلام نے ہمدردی کو کہاں تک پہنچایا ہے۔ میری رائے میں کامل اخلاقی تعلیم بجز اسلام کے اور کسی مذہب کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ عمر کا اعتبار نہیں اسلئے مجھے صحت ہو جاوے تو میرا ارادہ ہے کہ میں اخلاقی تعلیم پر ایک مستقل رسالہ لکھوں گا۔ جو میری جماعت کیلئے کامل تعلیم ہو۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میرا منشاء ہے وہ ظاہر ہو جاوے اور ابتغاء مرضات اللہ کی راہیں اس میں دکھائی جاویں اور خدا تعالیٰ کی توحید کی بھی رہنمائی کی جاوے۔ مجھے بہت ہی رنج ہوتا ہے۔ جب میں آئے دن یہ دیکھتا اور سنتا ہوں کہ کسی سے یہ سرزد ہوا اور کسی سے وہ۔ آئے دن باہمی تنازعات کی شکائت کی جاتی ہے اور ہمدردی اور آپسمیں سلوک کے پہلو کو مرعی نہیں رکھا جاتا۔ میری طبیعت ان باتوں سے خوش نہیں ہوتی۔ مگر میں جماعت کو ابھی اُس بچہ کی طرح پاتا ہوں جو دو قدم چلتا ہے۔ تو چار قدم گرتا ہے لیکن میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس جماعت کو کامل کر دے گا اسلئے تم بھی کوشش تدبیر مجاہدہ اور دعاؤں میں لگے رہو کہ خدا تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ کیونکہ اُسکے فضل کے بغیر کچھ بھی نہیں بنتا۔ جب اُسکا فضل ہوتا ہے تو وہ ساری راہیں کھولدیتا ہے:۔

فقط

تقریر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

جو کہ آپنے بعد از نماز جمعہ ۳۰۔ دسمبر ۱۹۰۴ء کو مسجد اقصےٰ میں فرمائی

نقل اخبار البدر سے

۱۰ر جنوری ۱۹۰۵ء

چونکہ خاکسار ایڈیٹر کچھ دیر سے پہنچا تھا اس لئے جس قدر ضبط ہو سکا وہ ہدیۂ ناظرین ہے سلسلۂ تقریر سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ انقطاعِ دنیا اور حصولِ قربِ الی اللہ کے متعلق مضمون تھا۔ ....

اور وہ یہ ہے۔

انسان کو چاہیئے کہ حسنات کا پلڑا بھاری رکھے۔ مگر جہانتک دیکھا جاتا ہے اُسکی مصروفیت اس قدر دُنیا میں ہے کہ یہ پلڑا بھاری ہوتا نظر نہیں آتا۔ رات دن اسی فکر میں ہے۔ کہ وہ کام دنیا کا ہو جاوے۔ فلانی زمین مل جاوے فلانا مکان بنجاوے حالانکہ اسے چاہیئے کہ افکار میں بھی دین کا پلڑا دنیا کے پلڑے سے بھاری رکھے اگر کوئی شخص رات دن نماز روزہ میں مصروف ہے تو یہ بھی اُسکے کام ہرگز نہیں آسکتا جبتک کہ خدا کو اُس نے مقدم نہیں رکھا ہوا۔ ہر بات اور فعل میں اللہ تعالیٰ کو نصب العین بنانا چاہیئے۔ ورنہ خدا کی قبولیت کے لائق ہرگز نہ ٹھہریگا۔ دُنیا کا ایک بُت ہوتا ہے جو کہ ہر وقت انسان کی بغل میں رہتا ہے۔ اگر وہ مقابلہ اور موازنہ کرکے دیکھے گا تو اُسے معلوم ہوگا۔ کہ کس طرح نمائش اُس نے دنیا کیلئے ہی بنا رکھی ہے۔ اور دین کا پہلو بہت کمزور ہے۔ حالانکہ عمر کا اعتبار نہیں ورنہ علم ہے کہ اس ایک پل کے بعد زندہ بھی رہنا ہے کہ نہیں شیخ سعدی نے کیا عمدہ فرمایا ہے۔ مکن تکیہ بر عمر ناپائدار اس وقت جس قدر لوگ کھڑے ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ ایک سال تک ان میں سے میں ضرور زندہ رہونگا۔ لیکن اگر خدا کی طرف سے علم ہو جاوے۔ کہ اب زندگی ختم ہے۔ تو ابھی سب ارادے باطل ہو جاتے ہیں۔ پس خوب یاد رکھو۔ کہ مومن کو دُنیا کا بندہ نہ ہونا چاہیئے

[دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی تاکید]

ہمیشہ اس امر میں کوشاں رہنا چاہیئے۔ کہ کوئی بھلائی اُسکے ہاتھ سے ہو جاوے۔ خدا تعالےٰ بڑا رحیم کریم ہے۔ اور اُسکا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے کہ تم دُکھ پاؤ۔ لیکن خوب یاد رکھو کہ جو اُس سے عمداً دوری اختیار کرتا ہے۔ اُس پر اُس کا قہر ضرور ہوتا ہے عادت اللہ اسی طرح سے چلی آتی ہے۔ نوحؑ کے زمانہ کو دیکھو۔ لوطؑ کے زمانہ کو دیکھو۔ موسیٰؑ کے زمانہ کو دیکھو۔ اور پھر آنحضرت صلعم کے زمانہ کو دیکھو کہ اس وقت جن لوگوں نے عمداً خدا سے بُعد اختیار کیا۔ اُنکا کیا حال ہوا۔ ان لمبی آرزوں نے انسان کو ہلاک کر دیا ہے اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے۔

اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ۔ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ۔ کہ اے لوگو جو تم خدا سے غافل ہو دُنیا طلبی نے تمہیں غافل کر دیا ہے یہاں تک کہ تم قبروں میں داخل ہو جاتے ہو مگر غفلت سے باز نہیں آتے کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مگر اس غلطی کا تم کو عنقریب علم ہو جائیگا۔ ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ

[تفسیر سورۃ الھٰکم التکاثر ۳۴/۳۰]

پھر تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ عنقریب تم کو علم ہو جاویگا کہ جن خواہشات کے پیچھے تم پڑے ہو وہ ہرگز تمہارے کام نہ آویں گی اور حسرت کا موجب ہونگی کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۔ اگر تم کو یقینی علم حاصل ہو جاوے تو تم علم کے ذریعہ سے سوچکر اپنے جہنم کو دیکھ لو اور تم کو پتہ لگ جاوے کہ تمہاری زندگی جہنمی زندگی ہے اور جن خیالات میں تم رات دن لگے ہوئے ہو۔ وہ بالکل ناکارہ ہیں میں ہرچند کوشش کرتا ہوں کہ کسی طرح یہ باتیں لوگوں کے دل نشین ہو جاویں مگر آخر کار یہی کہنا پڑتا ہے۔ کہ اپنے اختیار میں کچھ نہیں ہے جبتک خدا تعالیٰ خود ایک واعظ دل میں نہ پیدا کرے تب تک فائدہ نہیں ہوتا۔ جب انسان کی سعادت اور ہدایت کے دن آتے ہیں تو دل کے اندر ایک واعظ خود پیدا ہو جاتا ہے اور اُس وقت اُس کے دل کو ایسے کان مل جاتے ہیں کہ وہ دوسرے کی بات کو سنتا ہے۔ راتوں کو اور دنوں کو خوب سوچکر دیکھو تو تمہیں معلوم ہو جاویگا۔ کہ انسان بہت ہی بے بنیاد شے ہے اور اُس کے وجود کی کوئی کل بھی اسکے ہاتھ میں نہیں ہے ایک آنکھ ہی پر نظر کرو کہ کس قدر باریک عضو ہے۔ اگر ایک ذرا سا پتھر آلگے تو فوراً نابینا ہو جاوے پھر اگر یہ خدا کی نعمت نہیں تو کیا ہے۔ کیا کسی نے ٹھیکہ لیا ہوا ہے کہ خدا اسے ضرور بینا ہی رکھیگا اور اسی پر قوٰے کا قیاس کرو۔ کہ اگر آج کسی میں فرق آجاوے تو انسان کی کیا پیش چل سکتی ہے۔ غرضیکہ ہر آن اور پل میں اُس کی طرف رجوع کی ضرورت ہے اور مومن کا گذارا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ جبتک اس کا دھیان ہر وقت اُس کی طرف لگا نہ رہے اگر کوئی ان باتوں پر غور نہیں کرتا اور ایک دینی نظر سے ان کو وقعت نہیں دیتا تو وہ اپنے دنیوی معاملات پر ہی نظر ڈال کر دیکھے کہ کیا خدا کی تائید اور فضل کے سوائے کوئی کام اس کا چل سکتا ہے؟ اور کوئی منفعت دنیا کی وہ حاصل کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ دین ہو یا دنیا ہر ایک امر میں اُسے خدا کی ذات کی بڑی ضرورت ہے۔ اور ہر ایک اس کی طرف احتیاج لگی ہوئی ہے۔ جو اس کا منکر ہے سخت غلطی پر ہے۔ خدا تعالیٰ کو تو اس بات کی مطلق پرواہ نہیں ہے کہ تم اُس کی طرف میلان رکھو یا نہ۔ وہ فرماتا ہے [1] قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ اگر اسکی طرف رجوع رکھوگے تو تمہارا ہی اس میں فائدہ ہوگا۔

[1] ترجمہ کہہ کیا پرواہ کرتا ہے تمہاری۔ میرا پروردگار۔ اگر تمہارا دعا کرنا نہ ہو فضلدین۔

(ضرورت عبادات الٰہی کی تحقیقات)

انسان جس قدر اپنے وجود کو مفید اور کارآمد ثابت کریگا۔ اسی قدر اُسکے انعامات کو حاصل کریگا۔ دیکھو کوئی بیل کسی زمیندار کا کتنا ہی پیارا کیوں نہ ہو مگر جب وہ اسکے کسی کام بھی نہ آوے گا نہ گاڑی میں جُتے گا نہ زراعت کریگا نہ کنوئیں میں لگے گا تو آخر سوائے ذبح کے اور کسی کام میں نہ آویگا۔ ایک نہ ایک دن مالک اُسے قصاب کے حوالہ کردیگا ایسے ہی جو انسان خدا کی راہ میں مفید ثابت نہ ہوگا۔ تو خدا اُس کی حفاظت کا ہرگز ذمہ وار نہ ہوگا۔ ایک پھل اور سایہ دار درخت کی طرح اپنے وجود کو بنانا چاہیئے تاکہ مالک بھی خبرگیری کرتا رہے لیکن اگر اُس درخت کی مانند ہوگا کہ جو نہ پھل لاتا ہے اور نہ پتے رکھتا ہے کہ لوگ سایہ میں آبیٹھیں تو سوائے اسکے کہ کاٹا جاوے اور آگ میں ڈالا جاوے اور کس کام آسکتا ہے

خدا تعالیٰ نے انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے۔ کہ وہ اس کی معرفت اور قرب حاصل کرے۔ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ[1] جو اس اصل غرض کو مدنظر نہیں رکھتا اور رات دن دنیا کے حصول کی فکر میں ڈوبا ہوا ہے۔ کہ فلاں زمین خرید لوں فلاں مکان بنالوں فلاں جائداد پر قبضہ ہوجاوے۔ تو ایسے شخص سے سوائے اسکے کہ خدا تعالےٰ کچھ دن تک مہلت دیکر واپس بُلالے اور کیا سلوک کیا جاوے۔ انسان کے دل میں خدا کے قرب کے حصول کا ایک درد ہونا چاہیئے۔ جس کی وجہ سے اُس کے نزدیک وہ ایک قابل قدر شے ہوجاوے گا۔ اگر یہ درد اُسکے دل میں نہیں ہے اور صرف دنیا اور اس کے مافیہا کا ہی درد ہے تو آخر تھوڑی سی مہلت پاکر وہ ہلاک ہوجاویگا۔ خدا تعالیٰ مُہلت اسلئے دیتا ہے کہ وہ حلیم ہے لیکن جو اُسکے حلم سے خود ہی فائدہ نہ اُٹھاوے تو اُسے وہ کیا کرے۔ پس انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ اُسکے ساتھ کچھ نہ کچھ ضرور تعلق بنائے رکھے۔ سب عبادتوں کا مرکز دل ہے۔ اگر عبادت تو بجالاتا ہے مگر دل خدا کی طرف رجوع نہیں ہے تو عبادت کیا کام آوے گی۔ اسلئے دل کا رجوع تام اُس کی طرف ہونا ضروری ہے۔ اب دیکھو کہ ہزاروں مساجد ہیں۔ مگر سوائے اسکے کہ اس میں رسمی عبادت ہو اور کیا ہے۔ ایسے ہی آنحضرت صلعم کے وقت یہودیوں کی حالت تھی کہ رسم اور عبادت کے طور پر عبادت کرتے تھے اور دل کا حقیقی میلان جو کہ عبادت کی روح ہے

(تمام عبادات کا مرکز دل ہے)

(دلی عبادت حضور قلب ہے)

[1] ترجمہ میں نے جن و انسان کو صرف فرمانبرداری کیلئے ہی پیدا کیا ہے۔ ذٰریٰت

ہرگز نہ تھا اسلئے خدا تعالیٰ نے ان پر لعنت کی پس اسوقت بھی جو لوگ پاکیزگی قلب کی فکر نہیں کرتے تو اگر رسم و عادت کے طور پر وہ سینکڑوں ٹکریں مارتے رہیں۔ ان کو کچھ فائدہ نہ ہوگا اعمال کے باغ کی سرسبزی پاکیزگی قلب سے ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (۱۶/۳۰) کہ وہی بامراد ہوگا جو کہ اپنے قلب کو پاکیزہ کرتا ہے اور جو اسے پاک نہ کریگا بلکہ خاک میں ملا دیگا یعنی سفلی خواہشات کا اسے مخزن بنا رکھیگا وہ نامراد رہے گا۔ اس بات سے ہمیں انکار نہیں ہے۔ کہ خدا کی طرف آنے کیلئے ہزار ہا روکیں ہیں اگر یہ نہ ہوتیں تو آج صفحۂ دنیا پر نہ کوئی ہندو ہوتا نہ عیسائی۔ سب کے سب مسلمان نظر آتے۔ لیکن ان روکوں کو دور کرنا بھی خدا کے فضل سے ہوتا ہے۔ وہی توفیق عطا کرے تو انسان نیک بد میں تمیز کرسکتا ہے اسلئے آخر کار بات پھر اسی پر آٹھہرتی ہے۔ کہ انسان اسی کی طرف رجوع کرے۔ تاکہ قوت اور طاقت بے۔ دنیا میں جس قدر شورے نفس پرستی اور شہوت پرستی وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ ان سب کا ماخذ نفس امارہ ہی ہے۔ لیکن انسان اگر کوشش کرے تو اسی امارہ سے پھر وہ لوامہ بنجاتا ہے۔ کیونکہ کوشش میں ایک برکت ہوتی ہے اور اس سے بھی بہت کچھ تغیرات ہوجاتے ہیں۔ پہلوانوں کو دیکھو کہ وہ ورزش اور محنت سے بدن کو کیا کچھ بنالیتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ محنت اور کوشش سے نفس کی اصلاح نہ ہوسکے۔ نفس امارہ کی مثال آگ کی ہے جو کہ مشتعل ہو کر ایک جوش طبیعت میں پیدا کرتا ہے۔ جس سے انسان حد اعتدال سے گذر جاتا ہے۔ لیکن جیسے پانی آگ سے گرم ہو کر آگ کی مثال ہوجاتا ہے اور جو کام آگ سے لیتے ہیں۔ وہ اس سے بھی لے لیتے ہیں۔ مگر جب اسی پانی کو آگ کے اوپر گرایا جاوے تو وہ اس آگ کو بجھا دیتا ہے۔ کیونکہ ذاتی صفت اس کی آگ کو بجھاتا ہے۔ وہ وہی رہیگی۔ ایسے ہی اگر انسان کی روح نفس امارہ کی آگ سے خواہ کتنی ہی گرم کیوں نہ ہو۔ مگر جب نفس سے مقابلہ کرے گی اور اس کے اوپر گریگی تو اسے مغلوب کرکے چھوڑے گی۔ بات صرف اتنی ہے کہ خدا کو ہر ایک بات پر قادر مطلق جانا جاوے اور کسی قسم کی بدظنی اس پر نہ کی جاوے۔ جو بدظنی کرتا ہے۔ وہی کافر ہوتا ہے

(نفس اور روح کی عجیب مثال)

مومن کی صفات میں سے ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو غایت درجہ قادر جانے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ بہت نیکیاں کرنے سے انسان ولی بنتا ہے۔ یہ نادانی ہے۔ مومن کو تو خدا نے اوّل ہی ولی بنایا ہے۔ جیسے کہ فرمایا ہے۔ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا[1] اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ہزاروں عجائبات ہیں۔ اور انہیں پر کھلتے ہیں جو دل کے دروازے کھولکر رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بخیل نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص مکان کا دروازہ خود ہی نہیں کھولتا۔ تو پھر روشنی کیسے اندر آوے۔ پس جو شخص خدا کی طرف رجوع کریگا تو اللہ تعالیٰ بھی اسکی طرف رجوع کریگا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جہانتک بس چل سکے وہ اپنی طرف سے کوتاہی نہ کرے۔ پھر جب اس کی کوشش اسکے اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچے گی۔ تو وہ خدا کے نور کو دیکھ لیگا۔ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا[2] میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ کہ جو حق کوشش کا اسکے ذمہ ہے سے بجا لائے۔ یہ نہ کرے۔ کہ اگر پانی ۲۰ ہاتھ نیچے کھودنے سے نکلتا ہے۔ تو وہ صرف دو ہاتھ کھود کر ہمت ہار دے۔ ہر ایک کام میں کامیابی کی یہی جڑ ہے۔ کہ ہمت نہ ہارے۔ پھر اس اُمت کیلئے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر کوئی پورے طور سے دُعا و تزکیۂ نفس سے کام لیگا سب وعدے قرآن شریف کے اسکے ساتھ پورے ہو کر رہیں گے۔ ہاں جو خلاف کریگا۔ وہ محروم رہیگا۔ کیونکہ اسکی ذات غیور ہے اس نے اپنی طرف آنے کی راہ ضرور رکھی ہے۔ لیکن اسکے دروازے تنگ بنائے ہیں۔ پہنچتا وہی ہے۔ جو تلخیوں کا شربت پی لیوے۔ لوگ دُنیا کی فکر میں درد برداشت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض اسی میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کیلئے ایک کانٹے کی درد بھی برداشت کرنا پسند نہیں کرتے۔ جبتک اس کی طرف سے صدق اور صبر اور وفاداری کے آثار ظاہر نہ ہوں۔ تو اُدھر سے رحمت کے آثار کیسے ظاہر ہوں ابراہیم علیہ السّلام نے صدق دکھلایا۔ تو اُن کو ابو الانبیاء بنا دیا۔ میرے کہنے کا مدعا یہ ہے۔ کہ دن بہت سخت ہیں۔ اور کسی نے اب تک نہیں سمجھا تو آئندہ سمجھ لیوے مجھے الہام ہوا۔ عفت الدیار محلھا ومقامھا۔ یہ ایک خطرناک کلمہ ہے جس میں طاعون کی خبر دی گئی ہے۔ کہ انسان کے لئے کوئی مفر اور کوئی جائے پناہ

[1] ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا والی اور سرپرست ہے۔ فضلدین
[2] ترجمہ۔ جو ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ضرور ضرور اُنکو اپنا راہ دکھا دیں گے۔ فضلدین

(جو سچی تبدیلی نہ کرے وہ دعا کی درخواست نہ کرے)

نہ رہے گی۔ اس لئے میں تم سب کو گواہ رکھتا ہوں۔ کہ اگر کوئی سچی تبدیلی نہ کرے گا تو وہ ہرگز اس لائق نہ ہوگا کہ مجھ کو دعا کے لئے لکھے۔ جو لوگ خدا کے بتلائے ہوئے صراط مستقیم پر چلیں گے وُہی محفوظ رہیں گے۔ خدا کا وعدہ ایسے ہی لوگوں کی حفاظت کا ہے۔ جو سچی تبدیلی اپنے اندر کرتے ہیں مطلق بیعت انسان کے کیا کام آسکتی ہے پورا نسخہ جب تک نہ پیئے تو مریض کو فائدہ نہیں ہوا کرتا اس لئے پوری تبدیلی کرنی چاہیئے۔ جہانتک ہو سکے دعا کرو۔ اور اللہ تعالےٰ سے کہو کہ وہ تم کو ہر ایک قسم کی توفیق عطا کرے۔

سلسلہ عالیہ احمدیہ

کے متعلق

ہر ایک قسم کی کتب

بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان

سے بکفایت مل سکتی ہیں

خاکسار مینجر

فضل حسین احمدی مہاجر

تاریخ طبع اول فروری ۱۹۲۳ء

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
ایام الصلح فارسی	۸ر	تذکرۃ الشہادتین	
حقیقۃ المہدی	۱۰ر	سیرت الابدال	
مسیح ہندوستان میں	۴ر	لیکچر لاہور	۵ر
ستارہ قیصریہ		لیکچر سیالکوٹ	۴ر
تریاق القلوب		براہین احمدیہ حصہ پنجم معہ ضمیمہ	
تحفہ غزنویہ		الوصیت	۲ر
رسالہ جہاد معہ ضمیمہ		چشمہ مسیحی	۳ر
لجۃ النور	۳ر	تجلیات الٰہیہ	۱ر
اربعین کامل	۱۲ر	قادیان کے آریہ اور ہم	۳ر
تحفہ گولڑویہ	عہ ۴ر	حقیقۃ الوحی	
خطبہ الہامیہ	عہر	چشمہ معرفت	عہ ۸ر
اعجاز المسیح		پیغام صلح	۲ر
دافع البلاء	۱ر	الحق لدھیانہ	
الہدیٰ		” دہلی	
نزول المسیح	۹ر	جنگ مقدس	۸ر
کشتی نوح	۶ر	پرانی تحریریں	
تحفۃ الندوہ	ٹر	تصدیق النبی	۵ر
اعجاز احمدی	۳ر	درمکنون	عہر
ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی	۰ر	آمین حضرت فضل عمر	ٹر
مواہب الرحمٰن	۴ر	” حضرت صاحبزادگان	ٹر
نسیم دعوت	۴ر	رپورٹ ۱۸۹۷ء	۸ر
سناتن دھرم	۰ر	تقریر جلسہ دعا	

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
تقریر بہرہ خط وحدت الوجود		تبلیغ رسالت (مجموعہ اشتہارات حضرت اقدس)	
تقریروں کا مجموعہ		جلد اوّل	عہ ر
تقریریں		" " " " " دوم	عہ ر
الانذار		" " " " سوم	۶
بحر العرفان	۶ ر	" " " " چہارم	عہ ر
رہنمائے خاتون	۲ ر	" " " " " پنجم	۸ ر
پیغام امام		" " " " ششم	عہ ۸ر
کلمہ طیبہ پر تقریر		خزینۃ المعارف جلد اوّل و دوم	۸ ر
خطبہ عید الضحےٰ		" " جلد سوم و چہارم	۴ ر
مکتوبات احمدیہ جلد اوّل	۸ ر	درثمین اُردو	۵ ر
" " دوم	۸ ر	درثمین فارسی	۱۲ ر
" " سوم	۸ ر	مجموعہ الہامات	عہ ۸ر
" " چہارم	۸ ر	خزینۃ العرفان فی تفسیر القرآن	
" " پنجم	۸ ر	فی جلد	عہ ۸ر

تصانیف حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ

رسالہ ردّ تناسخ	۳ ر	دینیات کا پہلا رسالہ	۱ ر
ابطال الوہیت مسیح	۲ ر	خطبات نور جلد اوّل	۸ ر
مبادی الصرف	۱ ر	" جلد دوم	۸ ر

مینیجر بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان فضل حسین احمدی مہاجر